علماء کرام

اصلاح

کی روحانی چھاؤں میں





مؤلف

حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

خلیفہ ومجاز بیعت

حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم ادریس حبان رحیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ (بہار)

علماء کرام

اصلاح

کی روحانی چھاؤں میں

علماء کرام، حفاظ کرام، قراء کرام، ائمہ کرام، اور مبلغین اسلام کیلئے اصلاح وہدایت، دعوت وتبلیغ، درس وتدریس، اور امامت وخطابت، کی راہوں اور میدانوں میں مفید اور مؤثر طریقہ پر اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ فرائض اور دینی خدمات انجام دینے کیلئے بیش بہا تحفہ۔

مؤلف

حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

﴿خلیفہ ومجاز بیعت﴾

حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم ادریس حبان رحیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ (بہار)

مخلص اور طالب حق کو طباعت کی اجازت ہے

اگر کوئی نیکی کا طالب اردو کے علاوہ دوسری زبانوں میں اس کتاب کو منتقل کرنا چاہے تو اجازت ہے۔

نام کتاب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ علماءکرام اصلاح کی روحانی چھاؤں میں۔

مؤلف۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔حضرت مولانا محمد علاءالدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

کمپیوٹر وکتابت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔عبداللہ علاءالدین قاسمی

صفحات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔127

تعداد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ملنے کے پتے

☆ قاری عبدالعلاّم صاحب، C-178 تیسری منزل نزد چاند مسجد پُرانی سیما پوری (دہلی۔95)

☆ حاجی عبدالغنی صاحب، A-330 نزد مرکزی جامع مسجد پُرانی سیما پوری (دہلی۔95)

☆ قاری مطیع الرّحمٰن صاحب، اتوار بازار، نزد مدینہ مسجد، اگرنگر مبارک پور، (نئی دہلی)

☆ محمد اسلم وحافظ عبدالعزیز صاحب، چمن جنرل اسٹور 1981 گلی قاسم جان بازار لال کنواں، نزد ہمدرد دواخانہ (دہلی-6)

Mobile:

Abdullah: 7654132008-Q . **Abdul Allam:** 9818406313

H. Abdul Gani : 9811542512 **Md Aslam:** 9250283190

H. Abdul Aziz: 9811626704 **Q. Mutiur Rahman:** 8882919635

Email: Abdullahdbg1994@gmail.com

فہرست مضامین

مضامین	صفحات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گزارش واقعی

جس موضوع پر ناچیز نے قلم اٹھانے کی جرأت بے جا کی ہے، ہرگز، ہرگز، اس پر خامہ فرسائی کی نہ تو قدرت ہے، نہ صلاحیت ہے، نہ ہی ذرہ برابر اہلیت، مگر یہ سوچ کر کہ بسا اوقات چھوٹا منہ بڑی بات، یعنی فائدہ کی بات قلیل العلم، اور قلیل العمل شخص سے بھی صادر ہوکر کسی کسی کے لئے باعث راحت وہدایت ہوجاتی ہے، اس لئے خاکسار نے سوچا کہ یارانہ حلقہ، یعنی اپنے ہم زمانہ علماء کرام اور طلبہ کرام سے کچھ تبادلۂ خیال کرکے ٹوٹی پھوٹی چند باتیں ان کی خدمت میں پیش کر دی جائیں، ممکن ہے کسی کی دعائے خیر اور توجہات مخلصانہ سے میرا بھی بھلا ہو جائے، سب سے پہلے تو یہ نادان وناچیز اپنے آپ کو مخاطب کرتا ہے، پھر آپ حضرات علماء کرام سے گزارش کرتا ہے کہ کوئی بھی کام کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے، اس کارگہ حیات میں ہر شخص اپنے اپنے مقصد اور مشن سے وابستہ ہے، کوئی تجارت کے میدان میں سرگرم ہے، کوئی زراعت کے کاموں میں مشغول ہے، کوئی تعلیم کے شعبہ میں اپنی محنت صرف کر رہا ہے، غرض ہر ایک کا کوئی نہ کوئی ہدف ہے، اب ہم اہل علم کو بھی طے کرنا ہے کہ ہمارا صحیح مشن کیا ہے؟ ہم پر کیسی ذمہ داریاں ہیں؟ ظاہر ہے علماء کرام کی بنیادی اور اولین ذمہ داری تعلیم دین اور اشاعت دین ہی ہے، اس لئے کہ علماء کرام، انبیاء کرام کے وارثین ہیں، اور انبیاء کرام کا مشن دینی تعلیم اور اشاعت دین ہی تھا، ہر پیغمبر نے اپنی اپنی قوم کو اسی دین خداوندی کی دعوت دی، جو خدا نے ان پر نازل کیا، اور خاتم

الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے آخر میں تمام ادیان کا عطر اور روح دین اسلام کی شکل میں سارے عالم کے لئے خدائے ذوالجلال والاکرام کی جانب سے پیش فرمایا، ایسا دین جو قیامت تک کے لئے ساری انسانیت کے لیے سراپا رحمت ہی رحمت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی حیات مبارکہ میں یہ دین دنیا کے ہر خطہ اور ہر علاقہ میں پہنچ گیا تھا، ان حضرات کی زندگی ہی میں آفتاب اسلام دنیا کو دین الہی کے نور سے جگمگانے لگا تھا، عہد صحابہؓ کے بعد تابعین، علماء ربانیین، اور اولیاء کرام کی خلافت و نیابت اور زیر نگرانی دین اسلام دنیا میں ہر جگہ پھیلتا، پھلتا اور پھولتا رہا، انھی اسلاف اور اکابرین امت کی کوششوں اور قربانیوں کے صدقے اور نتیجے میں آج یہ دین مبارک، دین اسلام بالکل صحیح اور حقیقی شکل میں اپنی پوری معنویت وتاثیر کے ساتھ ہماری نگاہوں کے سامنے موجود ہے، ہر صحیح العقیدہ عالم اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کا دین سچا اور پاک و برحق ہے، اور تمام مذاہب کا خلاصہ اور مغز بھی ہے، یہی وہ آخری دین محمدی ہے جو محمد مجتبیٰ احمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے، یہی دین گزشتہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں اور ان کے مذاہب کا چودہ سو سال سے نمائندہ، محافظ اور امین بھی ہے، اس کے اندر دین و دنیا کے تمام شعبوں اور میدانوں کی پوری پوری ہدایت و رہنمائی کی گئی ہے، انسان کی فلاح و بہبود سے متعلق کائنات کی ہر ضروری اور مفید شئ اور عمل کو اس میں بیان کر دیا گیا ہے، پیغام ربانی، وحی متلو قرآن شریف، اور غیر متلو حدیث پاک، کی صورت میں اللہ تعالی نے اپنے پیغمبر امام الانبیاء والمرسلین سید الاولین والآخرین خاتم الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام الٰہی کو کما حقہ، مالہ وما علیہ کے ساتھ صحابہ کرام کو سکھلایا، ان کو عملی مشق سے وابستہ کرایا، اور پھر حجۃ الوداع میں آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے پیغام ربانی الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً۔ (سورہ مائدہ)

کو میدان عرفات میں تمام امت مسلمہ کو مخاطب کرتے ہوئے سنایا: کہ آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو پورا پورا پیش کر دیا، اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا ہے، پھر آپ نے فرمایا، جو حضرات موجود ہیں، غیر حاضر حضرات کو بھی یہ پیغام پہنچا دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دین کی سرپرستی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت یافتہ جماعت صحابہ کرام نے فرمائی، صحابہ کرام ؓ نے اپنے ساتھ ساتھ حضرات تابعین کو بھی لے کر حتی الامکان اشاعت دین کیلئے ہر طرح کی قربانیاں پیش کیں، اور دین اسلام کو اپنے علم و اخلاق کے ذریعہ سارے عالم اور ساری انسانیت تک پہنچا دیا، چنانچہ دنیا کے ہر خطے کے انسانوں اور لوگوں نے صحابہ کرام ؓ و تابعین کرام کی قدر کی، اور ان کی اتباع بھی کی، دین اسلام کی دعوت و خدمت کا یہ سلسلۃ الذہب خیر القرون سے لے کر آج تک جاری و ساری ہے، اور انشاء اللہ رہتی دنیا تک یہ مبارک سلسلہ قائم و دائم رہے گا، کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک، عظیم اور سدا بہار سلسلہ ہے، اور اسی کی بہار آفریں چھاؤں میں ساری کائنات اور ساری انسانیت چودہ سو سالوں سے راحت و سکون محسوس کر رہی ہے اور آئندہ بھی کرتی رہے گی۔

دنیا میں چاہے فتنوں کی آندھیاں چلیں، یا ضلالت و گمراہی کے سیلاب آجائیں، دین اسلام کا یہ چراغ یوں ہی فروزاں رہے گا، روئے زمین کی بڑی سے بڑی طاقتور حکومت بھی اسلام کی اس دیوار آہنی میں ذرا بھی رخنہ نہیں ڈال سکتی، اس سے ٹکرانے والی ساری باطل طاقتیں تاش کے پتے کی طرح بکھر جائیں گی، اور شمع اسلام باطل کی لہروں اور یلغاروں کی ہواؤں میں بھی جلتی رہے گی، دلوں کو گرماتی اور روحوں کو تڑپاتی رہے گی ؎

چراغے را کہ ایزد برفروزد
ہر آں کو تف زند ریشش بسوزد

جس چراغ کو خدا روشن رکھے، اسے جو بھی بجھائے گا اس کی داڑھی جل جائے گی، یعنی منہ کی کھائے گا، اس مبارک سلسلہ کے حاملین کی جماعتِ اہل حق کی حفاظت و مدد بھی ہمیشہ اللہ کی طرف سے جاری رہے گی، اور پوری دنیا مل کر بھی اس کو ختم نہیں کر سکتی، چاہے اس پر ظلم و جبر اور زور و ستم کی بجلیاں گریں، یا آلام و مصائب کے طوفان ان کے لیے کھڑے کئے جائیں ؎

اگر گیتی سراسر باد گیرد
چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

یہ وہی جماعت حقہ اور منصورہ ہے جس کی پیشین گوئی کائنات کے سب سے بڑے پیغمبر اور آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مبارک الفاظ میں فرمایا تھا: **عَنْ مُعَاوِيَةَبن قُرَّةِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْ لُ اللهِ ﷺ لا تزالُ طائفةٌ من أُمَّتِي منصورينَ لا يَضُرُّهُمْ من خَذَلَهُمْ حتى تقومَ الساعةُ۔** (حدیث صحیح، ۱/ ۳/ ۱۳۵، ابن ماجہ)

آپ ﷺ نے فرمایا: کہ میری امت کی ایک جماعت کو ہمیشہ اللہ کی مدد حاصل رہے گی، اس جماعت کے افراد کو قیامت تک چاہے جو بھی ذلیل اور پریشان کرنا چاہے گا ان کا کوئی بھی شخص، کوئی بھی جماعت، اور کوئی بھی دنیا کی عظیم سے عظیم اور طاقتور سلطنت بال بیکا نہیں کر سکتی، اور نہ ہی اس پر کبھی غالب ہی آسکتی ہے۔ **عن ابی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ قال: لا تَزالُ طائِفَةٌ مِن أُمَّتِي قوامة على امر الله لا يضرهم من خالفها۔** (حسن صحیح، ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت کی ایک جماعت اللہ کے دین پر قائم اور اس کی نگرانی کرتی رہے گی، اور ان کے مخالفین انہیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ **عن عمرو بن شعيب عن ابيه قال قام معاوية خطيبا فقال اين علماؤكم ؟اين علماؤكم ؟سمعت رسول الله ﷺ يقول لا تقوم الساعة الا وطائفة من امتي ظاهرون على الناس لا يبالون من خذلهم ولا من يضرهم۔** (صحیح، سنن ابن ماجہ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جب خطبہ دینے کے لئے منبر پر کھڑے ہوئے تو قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: تمہارے علماء کہاں ہیں؟ تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت تک میری امت کی ایک جماعت سارے انسانوں پر فاتح اور غالب رہے گی، اور اس جماعت کے افراد کو اس بات کی پرواہ نہیں ہوگی کہ کون ان کی مدد کرتا ہے، اور کون ان کو پریشان کرتا ہے؟ اور کون ان سے منہ موڑتا ہے؟ مذکورہ تینوں جماعتوں سے مراد ایک ہی جماعت حقہ ہے، جس کے امتیازات اور خصوصیات کو مختلف انداز میں زبان رسالت سے بیان کیا گیا ہے، اس جماعت کے اولین مصداق صحابہ کرامؓ کے بعد حضرات تابعین ہیں، پھر تابعین کے بعد وہ سلف صالحین اور علماء دین وشریعت ہیں، جو کسی نہ کسی جماعت اور متعین تعداد کی صورت میں دنیا کے ہر گوشہ میں امر الٰہی اور دین اسلام کی حفاظت واشاعت میں ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے نقش قدم کی اتباع کرتے ہوئے مامور ومشغول رہے ہیں۔

مفسرین، محدثین، فقہا کرام، اور اولیاء کرام سب اسی جماعت کے افراد میں شامل ہیں۔
اس تفصیل سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ احادیث میں جس جماعت حق کی نصرت وکامیابی کی بشارت وپیشین گوئی فرمائی ہے، وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد علماء حق اور آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے سچے متبعین عاشقان رسول ہی کی جماعت ہے، جس کے نیک کارناموں اور عظیم انقلابات عالم پر دنیا کے ہر دور کی تاریخ شاہد اور گواہ ہے۔ ہر عالم اس کو پڑھتے ہیں، لکھتے ہیں، اور تسلیم بھی کرتے ہیں، پھر آخر کیا وجہ ہے کہ ہم علمائے کرام اس جماعت حقہ کی اتباع وتقلید نہیں کرتے، ان کی زندگیوں سے کیوں فیض نہیں اٹھاتے، کیوں ہمارے اندر ان کی طرح صالح نیک اور خالص دینی جذبات پیدا نہیں ہوتے، ان اکابر اور قائدین کے نقش قدم پر چلنے میں وہ کون سے عوامل واسباب ہیں جو ہمارے لئے رکاوٹ بن رہے

ہیں؟ آخران کے مبارک راستہ کو اپنانے میں ہمیں کس چیز کا عار ہچکچاہٹ اور تردد و تعطل ہے، آخر کیوں ہم احساس کمتری میں مبتلا ہیں، جب کہ ہم علمائے کرام کی زندگی کا دوسرا رخ اور پہلو یہ ہے کہ اپنے آپ کو عالم کہلانا نہ صرف پسند کرتے ہیں، بلکہ فخر سے کہتے ہیں کہ ہم عالم ہیں، ہماری قوم کو چاہیے کہ ہماری عزت کرے، ہمیں اونچا مرتبہ دے، ہماری قیادت وامامت کو تسلیم کرے، ہماری رہبری میں مدرسہ، مسجد، محلہ، شہر، اور سارے وطن کا نظام چلے، کیا یہ ہماری زندگی کا دوہرا رویہ نہیں ہے، آخر ہمارے فکر وعمل میں یہ تضاد، اور ظاہر و باطن کے درمیان اختلاف احوال کیسے پیدا ہوئے؟ ہمارا ظاہر باطن کا مخالف کیوں ہے؟ ایسا تونہیں کہ ہمارے اندر وہ رذائل موجود ہوں جن سے ہم دوسروں کو روکتے ہیں، ہم صدق وصفا سے محروم تونہیں؟ ایفاء عہد، حسن معاملہ اور صحت نیت کی دولت ونعمت سے محروم تونہیں؟

احادیث مذکورہ میں جس جماعت کے مقبول، منصور، غالب اور فاتح ہونے کی بات فرمائی گئی ہے کیا اس سے مراد علماء حق کی جماعت نہیں ہے؟ اگر علماء حق کی جماعت مراد ہے تو فتح ونصرت اور اقتدار وغلبہ اور فوز وفلاح ہمارے قدم کیوں نہیں چومتی؟ ہماری قیادت ونمائندگی ناقص کیوں ہے؟

شاید اپنے اسلاف کی مبارک قدروں اور نیک روایتوں سے ہم محروم ہوتے جارہے ہیں، ہمارے اسلاف صبر وشکر، حسن نیت، ایثار ومحبت، تواضع وفروتنی، ہمدردی، وانسانیت نوازی، اور حسن اخلاق جیسے اوصاف کے حامل تھے۔ جبکہ ہمارے اندر خصائل ذمیمہ، بے جا غضب و غیرت، بغض، وحسد، غیبت وتجسس، الزام واتہام تراشی، لعن طعن، حب جاہ، تکبر، حرص، وہوس اور حد سے بڑھی ہوئی دنیا کی محبت وغیرہ عادات سیۂ نے راہیں بنالی ہیں، خلاصہ یہ کہ ہمارے ظاہر سے تو شریعت ودینداری کا خوب پتہ لگتا ہے ہے لیکن باطن ہمارا دین کا مخالف اور عمل وکردار سے خالی ہے۔

باطن میں شریعت کا عمل دخل برائے نام ہے، جس طرح ہمارا ظاہر عالم ہے، اگر باطن بھی عالم ہوجائے تب ہی ہم عالم کہلانے کے مستحق ہوسکتے ہیں ۔

عطر آنست کہ خود ببوید

نہ کہ عطار بگوید

دوستو! جب ہمارا باطن بھی ظاہر کی طرح شریعت وطریقت کا حامل ہو جائے گا تو پھر ہمیں سوچنے کی ضرورت بھی نہیں پڑیگی کہ ہم عالم ہیں، ہمیں لوگ عالم کہیں، جس طرح خوشبو اپنا تعارف کرانے کی محتاج نہیں، اسی طرح عالم باعمل بھی اپنے تعارف کا محتاج نہیں، یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہم الفاظ کے عالم خود کو کہلانے کے روادار تو ہو سکتے ہیں لیکن عالم اصطلاحی کہلانیکے ہم ہرگز مستحق نہیں، عالم حقیقی واصطلاحی وہی کہلاتا ہے جس کے ظاہر وباطن دونوں یکساں ہوں، ہم دین کے جانکار اور واقف کہلا سکتے ہیں، لیکن دیندار کہلانے کے مستحق نہیں، اسلئے کہ دیندار اس کو کہتے ہیں جس کے باطن میں بھی دینداری ہو، باطن صدق وصفا سے متصف اور آراستہ ہو، اگر ایسا نہیں ہے تو ہم علم دین کے حاملین میں شمار ہو سکتے ہیں، لیکن صالح اور دیندار نہیں کہلا سکتے، وہ عالم جو قرآن کا مطلوب اور حدیث پاک میں جس کے اوصاف بیان کئے گئے وہ نہیں کہلا سکتے، قرآن وسنت میں عالم کے اوصاف خوف وخشیت، اخلاص وللّٰہیت، اور محبت وانابت، اور جورع الی اللہ بیان ہوئے ہیں، جو عالم ان اوصاف زہد وتقویٰ سے متصف ہوگا یا ان کیلئے کوشاں ہوگا وہی اللہ اور اس کے بندوں کی نگاہوں میں عالم ہوگا، اور جو ان صفات سے محروم ہوگا وہ رسمی اور روایتی عالم تو کہلا سکتا ہے حقیقی عالم نہیں۔

اگر کسی کو عالم حقیقی واصلی بننے کی آرزو ہے تو پھر اپنے اکابر واسلاف کے طریق وراہ کو اختیار کرنا اور ان کی اتباع کرنا لازم اور ضروری ہے، اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: **البرکۃ مع اکابرکم**۔ برکت تمہیں اپنے اکابر کی ظاہری وباطنی معیت ہی میں ملے گی، دونوں جہاں کی برکتوں کے ہم مستحق جب ہی ہوں گے، جب ہم اکابر کے فکر وعمل کی تقلید واتباع کریں گے، اور اپنے اکابر سے محبت وعشق اور ان پر پورا پورا اعتماد اور ان کے مشن کو سینے سے لگانے کے پابند ہوں گے۔

ہمارے اکابر کو قوم میں تقدس واحترام اور عزت وو قار جن اوصاف حمیدہ کی بنا پر حاصل ہوا تھا ان کی نقل واتباع کے بعد ہی ہمیں بھی یہ نعمت مل سکتی ہے، کوشش اور مجاہدہ کر کے اگر تین امراض کو اپنے اندر سے موجودہ علماء نکال لیں تو پھر انہیں بھی اپنے اکابر جیسا وقار حاصل ہوسکتا ہے، (۱) حب جاہ۔(۲) ہوس۔ (۳) تکبر۔اگر عالم اپنے اندر سے یہ تین رذائل کو نکال دے تو پھر اس کیلئے صاحب تقدس و مرتبہ بننے کا راستہ ہموار ہونا شروع ہو جائے گا۔

اس کتاب کی تحریر کا مقصد ایک چھوٹی سی کوشش تھی کہ، جس طرح ہمارے اکابر نے عالمانہ مخلصانہ اور مجاہدانہ طرز زندگی گزاری ہے، اللہ تعالیٰ ان کی اتباع کی ہمیں بھی توفیق عطا فرمائے ، انہوں نے قرآن وسنت کی روح کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالی تھیں اس لئے وہ معزز بھی ہوئے اور ان سے اللہ نے دین کا کام بھی لیا، چنانچہ آج تک ان کے نام دلوں اور زبانوں پر عقیدت واحترام کے ساتھ جاری ہیں، ان کے روشن کارنامے تاریخ کا اہم اور درس آموز باب ہیں۔علماء کے اوصاف کیا ہیں؟ عالم عالم کب کہلاتا ہے، اور قوم و معاشرہ اور شہر ووطن میں اس کا مقام کیسے اور کن اوصاف کی بنا پر بلند ہوتا ہے، اکابر کی ہی زندگیوں سے سیکھنا چاہئے ،حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے بجا فرمایا تھا: لوگوں کی نظر اپنے عمل پر ہوتی ہے، اور اللہ کی نگاہ لوگوں کی نیت پر ہوتی ہے۔اسلئے اپنی نیت کا احتساب ضروری ہے، انما الاعمال بالنیات ۔کا مطلب یہی ہے کہ جو بھی آپ اچھے کام کر رہے ہیں اللہ کی رضا وخوشنودی کیلئے کریں تب ہی آپ کو دنیا وآخرت میں ثواب اور فائدہ حاصل ہوگا ، دین کا کام کرنے والے عالم کو چاہئے کہ یہ دیکھے کہ علم دین کی تعلیم سے اس کا مقصد دنیا ہے، یا آخرت؟ اگر آخرت ہے تو پھر دنیا کیوں غالب ہے، عالم کی زندگی میں دین غالب ہوگا تو یقیناً عوام کی زندگی پر بھی اس کے مثبت اثر پڑیں گے اور ان میں بھی دین کی فضا بہتر سے بہتر

ہوتی جائے گی ، بہرحال اگر آپ کوقوم میں دین کی خدمت کرنے کا شوق ہےتو اہل اللہ کی زندگی کو اپنا آئیڈیل بنائیں ، کیونکہ ہمارے اکابر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر صحیح معنی میں دکھایا تھا ، اسی ئے اللہ نے علماء حق اور وارثین انبیاء کے زمرے میں انہیں داخل فرمایا اور قبولیت عطا فرمائی تھی۔

اللہ تعالیٰ ہمارے سینوں میں بھی اپنے علماء ربانیین اور مشائخ واسلاف کی عظمت ومحبت داخل فرمائے اور ان کی اتباع نصیب فرمائے ، ہم سب کی اصلاح فرمائے ۔ اور کتاب میں درج شدہ اصحاب بصیرت اسلاف واکابر امت کے سچے اور مفید تجربات ، ارشادات ، اور ہدایت آفریں حالات سے عبرت حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ، اور مؤلف ومعاونین کیلئے بھی اسے ذریعۂ ہدایت ونجات بنائے ۔ (آمین)

(حضرت مولانا) محمد علاء الدین صاحب قاسمی

خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ بہار

۲ صفر المظفر ، ۱۴۴۳ھ بروز جمعہ

مطابق ، ۱۰ ستمبر بروز جمعہ ، ۲۰۲۱ء

آپ اگر عالم اور شیخ ہیں تو ایسا حوصلہ رکھ کر دکھائیے

سب سے زیادہ ضرورت علماء ومشائخ کو اپنی اصلاح کی ہے، کیونکہ ان کی اصلاح پر عوام کی اصلاح موقوف ہے، پہلے بزرگوں کی یہ حالت تھی کہ جب ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ نے اس مسجد (پیر محمد والی) میں قیام کا ارادہ کیا اور پہلے یہ سہ دری یہاں بنی ہوئی نہ تھی، یہ حضرت میاں جی صاحب قدس سرہٗ کے حکم سے بنی ہے تو حاجی صاحب کے یہاں بیٹھنے سے پہلے اس مسجد میں بزرگ حسن شاہؒ رہتے تھے، وہ صاحب سماع تھے مگر سچے آدمی تھے، دوکاندار نہ تھے جب انہوں نے حضرت حاجی صاحبؒ کو یہاں قیام کرتے دیکھا تو وہ اپنا بستر لپیٹ کر شاہ ولایت میں جا پڑے اور فرمایا کہ اب بستی میں شیخ کامل آگیا ہے، اس کے سامنے مجھے بستی میں رہنے کی ضرورت نہیں، وہ جنگل میں جا بسے اور وہیں زندگی کے دن پورے کر دیئے واللہ! میں تو اس ادا کا عاشق ہوں افسوس اب ہمارے اندر یہ باتیں نہیں رہیں۔ (نصیحۃ العلماء، ص/101)

میں یہاں اس طرح رہوں گا جیسے پانی پر پھول رہتا ہے

اسی طرح جب حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی اپنے شیخ علی احمد صابرؒ کے حکم سے پانی پت تشریف لائے اور یہاں قیام کا ارادہ کیا تو پانی پت میں شاہ ابوعلیؒ قلندر پہلے سے موجود تھے انہوں نے اپنے ایک مرید کے ہاتھ کٹورے میں پانی بھر کر شیخ شمس الدین کے پاس بھیجا، شیخ شمس الدین نے اس پر ایک پھول رکھ کر واپس کر دیا، لوگ اس رمز (اشارہ) کو نہ سمجھے تو انہوں نے قلندر صاحبؒ سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات تھی، فرمایا کہ میں نے شیخ شمس الدینؒ سے یہ کہا تھا کہ پانی پت میرے اثر سے ایسا بھرا ہوا ہے جیسے یہ کٹورا پانی سے بھرا ہوا ہے، اس میں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں، آپ یہاں فضول تشریف لائے تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ میں یہاں

اس طرح رہوں گا جیسے پانی پر پھول رہتا ہے کہ پانی کی جگہ کو نہیں گھیرتا یعنی میں آپ کے اثر میں تصرف نہ کروں گا۔

اس کے بعد شاہ بوعلی قلندرؒ خود ہی بستی کو چھوڑ کر جنگل کی طرف تشریف لے گئے، گویا حضرت شیخ شمس الدینؒ کو اجازت دیدی کہ تم جس طرح چاہو تصرف کرو، اب ہماری ضرورت نہیں رہی کیونکہ دوسرا صاحب کمال آ گیا ہے۔

ہمارے اندر یہی باتیں تو نہیں رہیں بلکہ اس کے بجائے ہمارے اندر تحزب اور گروہ بندی کا مرض آ گیا ہے اگر ہم کو مخلوق کو نفع پہنچانا مقصود ہوتا تو دوسرے نفع پہنچانے والوں سے انقباض نہ ہوتا، بلکہ خوشی ہوتی کہ اچھا ہوا کہ اس نے میرے اوپر سے بوجھ ہلکا کر دیا، اب میں دین کا کوئی دوسرا کام کروں جس کو کوئی نہ کر رہا ہو، نیز اگر نفع خلق مقصود ہوتا تو جس شخص کے ہاتھ سے بھی دین کا نفع پہنچتا ہم اس سے خوش ہوتے اگر چہ وہ ہمارے بزرگوں سے بعض مسائل فرعیہ میں اختلاف ہی رکھتا ہوتا کیونکہ مسائل فرعیہ میں اختلاف تو اہل حق میں ابتداء سے چلا آ رہا ہے کوئی نئی بات نہیں، مگر ہماری یہ حالت ہے کہ اگر ہمارے بزرگوں سے کسی عالم کو کسی مسئلہ میں بھی اختلاف ہو تو چاہے اس سے دین کا فیض ہمارے بزرگوں سے بھی زیادہ ہو رہا ہو اس سے خوش نہ ہوں گے اور نہ اس کے مرنے پر حسرت و رنج ہوتا ہے بلکہ کسی درجہ میں خوشی ہی ہوتی ہے میں کہاں تک معیارات بیان کروں، اگر ہمارے اندر دین ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ ان کسوٹیوں پر نہیں کسا جاتا، بس جہاں تک اپنی حالت میں غور کرتے ہیں حسرت ہی ہوتی ہے اور زیادہ حسرت اس کی ہے کہ حسرت بھی پوری طرح نہیں ہوتی۔ (ارضاء الحق ملحقہ تسلیم ورضا ص ۱۵۶)

یہ سب آثار اسی کے ہیں کہ ہم لوگ رضائے خلق کو رضائے حق پر ترجیح دیتے ہیں اور یہ بڑا مرض ہے جو شرک کا شائبہ ہے کیونکہ اسی سے ریاء پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ریاء کی حقیقت مخلوق

ہی کو مقصود سمجھنا ہے اور جو شخص رضائے خلق کا طالب ہوگا اس سے زیادہ مقصودیت خلق کس میں ہوگی پس ریاء میں اس مرض کی فرع ہے اور ریاء کو حدیث میں شرک سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (تسلیم ورضاص ۱۵۶)

مولویوں میں تاویل کا مرض آخر کب ختم ہوگا جس نے انہیں تباہ کر رکھا ہے

حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا: آج کل ہماری تاویلوں کی یہ حالت ہے کہ ہم خود جانتے ہیں کہ تاویل ہے مگر اس پر نازاں ہیں کہ ہم نے تاویل سے بات بنالی اور یہ مرض تاویل کا ہمارے اندر سے ابتدائے طالب علمی سے پیدا ہوتا ہے، مجھے خود اپنے بچپن کا واقعہ یاد ہے جب کہ میں دیوبند کے مدرسہ میں ابتدائی کتابیں عربی کی پڑھتا تھا، اس زمانہ میں ایک دفعہ میرٹھ والد صاحب کے پاس گیا اور اس وقت میرٹھ میں نو چندی کا میلا تھا، میں بچپن کی وجہ سے میلہ دیکھنے چلا گیا، جب واپس آیا تو حافظ عبدالکریم صاحب

رئیس کے بڑے صاحبزادہ شیخ غلام محی الدین صاحب نے دفتر میں مجھے اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ نو چندی کے میلہ میں جانا کیسا ہے؟ میں سمجھ گیا کہ اس سوال سے مجھ پر اعتراض مقصود ہے تو بجائے اس کے کہ اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتا میں نے بات بنائی اور تاویل کے ساتھ جواب دیا کہ نو چندی کا میلہ ایسے شخص کو جانا جائز ہے جو کسی وقت مقتدا بننے والا ہے اور اس وقت اس غرض سے جاتا ہے کہ میلہ کے مفاسد معلوم کر لے تاکہ بعد میں جب لوگوں کو اس سے منع کرے تو اس کے مفاسد ان کے سامنے بیان کرس کے، اس جواب پر شیخ صاحب موصوف بہت ہنسے کہ مولوی گناہ بھی کرتے ہیں تو اس کو جائز بنا کر، خیر یہ تو بچپن کی بات تھی افسوس یہ ہے کہ پچپن سال میں بھی ہماری یہی حالت ہے یہاں تک کہ عوام نے یہ سمجھ لیا ہے کہ بس دین مولویوں کے قبضہ کا ہے جس چیز کو چاہیں یہ حرام کر لیں اور جس چیز کو چاہیں حلال کر لیں۔ (ارضاء الحق ملحقہ تسلیم ورضاص ۱۳۹)

علماء ومشائخ کو تنبیہ

علماء بھی گناہوں میں تاویلیں کرتے ہیں اور مشائخ بھی تاویلیں کرتے ہیں۔ پھر عوام کا تو کیا پوچھنا۔ حیرت تو علماء پر ہے اور ان سے بڑھ کر مشائخ پر، کیونکہ عارفین کا اصل مذاق تو یہ ہے کہ وہ ثمراتِ آخرت پر بھی نظر نہیں کرتے، مگر یہ انہی حضرات کا درجہ تھا ہم کو ثمرات آخرت سے استغناء نہیں کرنا چاہیئے، کیونکہ اول تو یہ دعویٰ بہت بڑا ہے۔ (ہم اس کے اہل نہیں اور وہ حضرات اہل تھے۔ کیونکہ وہ اپنے کو فنا کر چکے تھے وہ دعویٰ سے پاک تھے) دوسرے یہ کہ وہ حضرات تو افکار سے خالی ہو کر ذکر اللہ سے بھر گئے تھے، ان کے قلب میں حق تعالیٰ کا ذکر وفکر بھرا ہوا تھا۔ اور ہمارا قلب ابھی تک ذکر وفکرِ حق سے پر نہیں ہوا، اگر ہم نے ثمرات آخرت کی فکر بھی دل سے نکال دی تو بالکل کورے ہی رہ جائیں گے، اور یہ حالت سخت خطرناک ہے، دل کو خالی نہ چھوڑنا چاہیئے اگر ذکر حق سے پُر نہ ہو تو مباحات ہی سے پر رکھو ورنہ میدان خالی دیکھ کر شیطان قبضہ جمالے گا، تو خیر آج کل کے مشائخ اگر ثمرات آخرت سے قطع نظر نہ کر سکیں تو کم از کم ثمرات دنیا سے تو قطع نظر کرلیں کہ یہ تو اس طریق میں قدم رکھنے کی شرط اول ہے، مگر افسوس ان کی نظر بھی ثمرات دنیا ہی پر ہے اور اس کے لئے وہ تاویلیں کرتے رہتے ہیں۔ (تسلیم ورضا ص ۱۴۹)

مجمع بڑھانے کی فکر چھوڑو پہلے نفع لازم سے فارغ ہو جاؤ پھر متعدی کی فکر کرنا

حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا: بعض مشائخ کو اپنا مجمع بڑھانے کی فکر ہوتی ہے اور اس کے لئے تدابیر کرتے ہیں اور تاویل یہ کر لی ہے کہ ہمارا مجمع زیادہ ہوگا تو مخلوق کو نفع زیادہ ہوگا، ایک مقدمہ تو یہ ہوا اور دوسرا مقدمہ یہ گھڑ لیا ہے کہ نفع متعدی نفع لازمی سے افضل ہے۔

صاحبو! یاد رکھو کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ یہ قاعدہ اس شخص کے لئے ہے جو نفع لازمی سے

فارغ ہو گیا ہو اور نفع متعدی میں مشغول ہونا اس کے لئے نفع لازم میں خلل انداز نہ ہوتا ہو، اور جس کی یہ حالت نہ ہو اس کے لئے نفع لازمی نفع متعدی سے افضل ہے۔ دیکھو امامت نفع متعدی ہے اور اقتداء نفع لازمی ہے تو اب بتلاؤ کیا ہر شخص کے حق میں امامت افضل ہے؟ ہر گز نہیں بلکہ ایسے تھوڑے افراد ہیں جن کے واسطے امامت افضل ہو زیادہ وہی ہیں جن کے واسطے مقتدی ہی بننا افضل ہے اور دیکھو تعلیم دینا نفع متعدی ہے اور پڑھنا نفع لازم ہے تو کیا ہر شخص کے لئے پڑھنے سے پڑھانا افضل ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں بلکہ پڑھانا اسی کے واسطے افضل ہے جو پڑھنے سے پوری طرح فارغ ہو چکا ہو اور اس کو اساتذہ کہہ دیں کہ اب تم اس لائق ہو کہ دوسروں کو پڑھاؤ اور جو خود ہی پڑھ رہا ہے ہنوز فارغ نہیں ہوا وہ ہرگز دوسروں کو پڑھانے کے لائق نہیں اور نہ اس کے واسطے تعلیم وتدریس افضل، پس یہ کلیہ غلط ہے کہ نفع متعدی نفع لازمی سے افضل ہے اور جن لوگوں کے حق میں نفع متعدی افضل ہے وہ بھی اس لئے نہیں کہ نفع متعدی نفع لازم سے فی نفسہٖ افضل ہے بلکہ اس لئے افضل ہے کہ اس کے نفع متعدی سے بہت سے لوگ نفع لازم میں مشغول ہوں گے یعنی اپنی اصلاح وتکمیل کریں گے، پس نفع متعدی میں فضیلت اسی واسطے ہے کہ وہ نفع لازم کا ذریعہ ہے اسی لئے جس وقت نفع متعدی سے نفع لازم کا ذریعہ ہونے کی امید نہ ہو اس وقت نفع متعدی کے ترک کا حکم ہے حدیث میں ہے۔

حتی اذارأیت شحا مطاعاوہوی متبعاودنیا مؤثرۃ وإعجاب کل ذی رائی برایہ فعلیک بخاصۃ نفسک ودع امر العامۃ۔

اگر نفع متعدی میں خود فی نفسہٖ فضیلت ہوتی تو نفع لازم کے عدم ترتب سے اس کو کیوں بند کیا جاتا۔

دوسرے نفع متعدی میں مشغول ہونے کے بعد نفع لازم میں مشغول ہونے کی ضرورت ہی نہ رہتی کیونکہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی کیا ضرورت ہے مگر نصوص شاہد ہیں کہ نفع لازم سے کسی وقت کسی کو بھی استغناء نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو افضل الخلق ہیں حکم ہے۔

فَاِذَافَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ۔

حدیث پاک کا ترجمہ جب تم دیکھو گے کہ لوگ لالچ کے پیچھے پڑ گئے اور خواہش نفس کی پیروی کرنے لگے ہیں، اور دنیا کو ہر جگہ ترجیح دی جارہی ہے اور ہر صاحب رائے اپنی ہی رائے کو پسند کرتا ہے تو ایسے حالات میں تم صرف اپنی اصلاح کی فکر کرنا اور لوگوں کا چکر نہ رکھنا۔

کہ تبلیغ سے فارغ ہوکر اپنے کام میں محنت کیجئے اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہوئیے۔

مشائخ واہل مدارس اور واعظین ومقررین کوتنبیہ

اور یہ گفتگو تو اس وقت ہے جب کہ اس تاویل کو تسلیم کرلیا جائے کہ واقعی وہ اسی نیت سے مجمع بڑھانے کی فکر کرتے ہیں تاکہ مخلوق کو نفع ہو اور واقعہ یہ ہے کہ یہ تاویل بھی فاسد ہے اگر ان کو نفع خلق مطلوب ہے تو اس کی علامت یہ ہے کہ اگر کوئی دوسرا شخص ان سے زیادہ کامل آجائے جس سے مخلوق کو نفع پہنچنے کی زیادہ امید ہے تو یہ حضرت شیخ اپنی مسند کو چھوڑ کر الگ ہوجائیں اور لوگوں سے صاف کہہ دیں کہ اب میری ضرورت نہیں رہی، فلاں بزرگ کے پاس جاؤ وہ مجھ سے زیادہ کامل ہیں۔

مگر وہ لوگ جو نفع خلق کی تاویل سے اپنا مجمع بڑھارہے ہیں ذرا وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ کیا وہ ایسا کر سکتے ہیں کہ ان کی بستی میں دوسرا بزرگ اسی کام کا کرنے والا آجائے تو یہ اس کام کو اس کے حوالے کر کے خود دوسرا کام سنبھال لیں؟ ہرگز نہیں۔ اب تو یہ حالت ہے کہ ایک خانقاہ والے دوسری خانقاہوں کو نہیں چاہتے اور ایک مدرسہ والے دوسرے مدارس کو نہیں چاہتے۔ واعظین دوسرے واعظین کو نہیں چاہتے پھر یہ کیا اخلاص ہے۔

اے اللہ! جب علماء ومشائخ کی یہ حالت ہے تو اب عوام کی اصلاح کیونکر ہو، افسوس ماٹ کا ماٹ ہی خراب ہے۔

ظَهَرَالْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَاکَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسُ لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْالَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْن۔ (پ۲۱ سورہ روم)

(ترجمہ) خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھا دے تا کہ وہ باز آجائیں۔ (بیان القرآن)

جس عالم نے کسی سے اپنی اصلاح نہ کروائی وہ بغیر تلے ہوئے کباب کے مانند ہیں

آج کل علماء کی عزت کیوں نہیں ہو رہی ہے؟ جو اہلِ علم ہیں ان کی قدر و منزلت کیوں گھٹ رہی ہے؟ اس کی اصل وجہ کو ایک مثال کے ذریعے پیش کر رہا ہوں کہ اس کی بنا پر آج کل علماء کی عزت وعظمت اور قدر و منزلت لوگوں کے دلوں سے اٹھتی جا رہی ہے۔

جس طرح ہم اور آپ کباب بناتے ہیں۔ اگر ان کو بغیر تلے ہوئے کھالیں تو یقیناً ہم فوراً تھوک دیں گے، اور یہ بات ہم پر ہی موقوف نہیں ہے بلکہ یہ کباب جس کے پاس بھی جائے گا وہ کھاتے ہی فوراً تھوک دے گا۔ لیکن اگر کباب کو آگ جلا کر تیل یا گھی کے اندر تل لیا جائے تو جو بھی کھائے گا وہ دل سے خوش ہوگا۔ ادھر آنکھوں سے اس کی مرچ کی وجہ سے آنسو نکل رہے ہوں گے مگر ادھر وہ کباب کو چھوڑنے پر تیار نہ ہوگا۔ اگر اس وقت کوئی آدمی اس سے یوں کہنے لگے کہ آپ کو تو تکلیف ہو رہی ہے، آپ کی آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہے اس لیے یہ کباب ہم کو دے دو۔ تو وہ فوراً کہہ دے گا کہ جناب! آپ کو کیا خبر؟ ان ظاہری آنسوؤں اور تکلیف میں لطف اور مزے کا خزانہ پوشیدہ ہے۔ آپ ظاہر میں میرے آنسو اور تکلیف کو دیکھ رہے ہیں۔ میرے باطن کی آپ کو کیا خبر کہ مجھ کو کیا لطف حاصل ہو رہا ہے۔ اسی طرح اس معاملے میں بھی سمجھنا چاہیے کہ جو علماء اپنے کو تلواتے نہیں ہیں (یعنی اپنی اصلاح نہیں کراتے) ان کو بغیر تلے ہوئے کباب کی طرح ہر شخص ناپسند کرتا ہے۔ مگر وہ علماء جو اپنے کو کسی ماہر کے حوالے کر کے تلوا لیتے ہیں (یعنی اپنی اصلاح کرا لیتے ہیں) ان کی ہر جگہ مثل تلے ہوئے کباب کی عزت ہوتی ہے۔ (صحبت اہل اللہ کی اہمیت اور اس کے فوائد، ص/295)

غیر صحبت یافتہ عالم کی گفتگو میں اثر نہیں ہوتا

حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس عالم نے اللہ والوں کی صحبت نہیں اٹھائی اور ان کی صحبت میں رہ کر مجاہدہ نہیں کیا اس کی گفتگو میں بھی اثر نہیں ہوتا۔ جب یہ خود مست نہیں تو دوسروں کو کیا مست کرے گا؟ اور میرے شیخ اس کی مثال دیتے تھے کہ کچا قیمہ پیس کر اس میں کباب کے سارے اجزاء ڈال دو اور ٹکیہ بنا کر رکھ دو اور لکھ دو کہ یہ شامی کباب ہے، مگر اسے مجاہدہ سے نہیں گزارا گیا اور آگ پر رکھ کر سرسوں کے تیل میں تلا نہیں گیا تو اس کی صورت تو شامی کباب کی سی ہو گی لیکن سیرت نہ ہو گی اور اس میں وہ خوشبو بھی نہیں آئے گی جو کباب میں ہوتی ہے اور جو کوئی کھائے گا تھو تھو کرے گا اور کہے گا کہ یار! ہم نے تو مولانا لوگوں کی بڑی تعریف سنی تھی مگر ۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا

جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

لیکن اس کچے کباب کو کڑھائی میں ڈال کر نیچے سے آگ لگائی جائے اور تیل میں تلا جائے۔ اب جو اس کی خوشبو پھیلے گی تو کافر بھی کہے گا کہ ۔

بوئے کباب مارا مسلمان کرد

اس کباب کی خوشبو نے تو مجھے مسلمان کر ڈالا۔

حضرت حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سولہ سترہ سال کا ایک ہندو لڑکا مسلمان ہو گیا، اور جونپور میں علمِ دین پڑھنے آیا جہاں میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سولہ اسباق پڑھاتے تھے، اور سب مشکوٰۃ، جلالین سے اوپر کی کتابیں تھیں۔ میرے شیخ بہت بڑے عالم تھے۔ دارالعلوم دیوبند کی صدر مدرّسی کے لیے انتخاب ہوا تھا۔ تو فرمایا کہ مدرسہ میں طلباء کی دعوت میں گائے کا کباب آیا اس بے چارے نے کہاں گائے کا کباب کھایا تھا کیوں کہ

ہندو گائے کا گوشت کہاں کھاتے ہیں اس کو تو مزہ آ گیا۔ جب اس کو کوئی دن گائے کا گرم گرم کباب نہیں ملا تو وہ تتلا تھا، اپنی تتلی زبان میں اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یار! تم لوگ ہر وقت کتاب ہی لیے پھرتے ہو یا کہیں دعوت واوت بھی ہے کہ گائے کا کباب ملے؟

حضرت حکیم اختر صاحبؒ نے فرمایا: میرے شیخ فرماتے تھے کہ علمِ درسِ نظامی جس نے حاصل کرلیا اس کی مثال اسی کچے قیمہ کے کباب کی سی ہے جس میں کباب کے تمام مسالے اور اجزاء پڑے ہوئے ہیں اور اس کی دستار بندی بھی کردی گئی کہ آج تم شامی کباب ہو گئے لیکن ابھی نہ یہ خود مزہ پائے گا نہ اس کے پاس بیٹھنے والے مزہ پائیں گے جب تک اس کو مجاہدہ کی آگ پر تلا نہ جائے گا۔ لہٰذا اب یہ کسی بزرگ کے پاس جائے اور ان کی صحبت میں رہ کر مجاہدہ کرے اور گناہوں سے بچنے کا غم اٹھائے یہاں تک کہ اس مجاہدہ سے اس کا دل جل کر کباب ہو جائے۔ اب اس کے علم کی خوشبو سارے عالم میں پھیل جائے گی۔ (صحبت اولیاء، ص/184)

ذکر الٰہی کیلئے کسی شیخ کی سرپرستی کیوں ضروری ہے؟

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تھا کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ ذکر شیخ کے مشورہ کے ساتھ کرو، تو ذکر کے ساتھ شیخ کی کیا ضرورت ہے؟ کیا اللہ کا ذکر ہمیں اللہ تک نہیں پہنچا سکتا؟ حضرت نے فرمایا کہ کام تو ذکر ہی بناتا ہے لیکن اسی طرح جیسے کاٹ تو تلوار ہی کرتی ہے، لیکن کب؟ جب کسی کے ہاتھ میں ہوتی ہے، زمین پر پڑی ہوئی تلوار کام نہیں کرتی۔ لہٰذا کام تو ذکر ہی بنائے گا مگر شیخ کی صحبت اور اس کی روحانی گرمی بھی چاہیے جیسے مرغی کے پروں میں انڈہ کچھ دن رہ کر حیات پا جاتا ہے اور زندگی پانے کے بعد چھلکے کو توڑ دیتا ہے۔ آج جو تعلقات ہم کو اللہ سے دور کر رہے ہیں، اللہ والوں کی صحبت کی برکت سے پھر بہ زبانِ حال یہ شعر پڑھتے ہوئے ہم سارے سلاسل اور علائق توڑ دیں گے۔

مارا جو ایک ہاتھ گریباں نہیں رہا
کھینچی جو ایک آہ تو زنداں نہیں رہا

کون ہے اللہ والا کیسے پہچانیں

اللہ والے اور صالحین کون ہیں؟ کیا علامت ہے کہ وہ اللہ والے ہیں؟ اللہ والے خود سے نہیں کہیں گے کہ ہم اللہ والے ہیں، جو خود دعویٰ کرتا ہے کہ میں اللہ والا ہوں وہ ہرگز اللہ والا نہیں اور اللہ والوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اللہ والا وہ ہے جو کسی اللہ والے کا صحبت یافتہ ہو، اس کے پاس بیٹھنے والوں کے دینی حالات اچھے ہو رہے ہوں، ان کے دلوں میں اللہ کی محبت بڑھ رہی ہو، لوگ گناہ گار زندگی سے صالحین کی زندگی اختیار کر رہے ہوں۔ اگر اس کی صحبت میں رہنے والوں کی اکثریت وہاں سے روحانی شفا پا رہی ہے تو سمجھ لو کہ اللہ والا ہے۔ لیکن اس سے اپنا روحانی بلڈ گروپ بھی ملا لو، جیسے کسی مریض کو خون چڑھانے سے پہلے اس کا بلڈ گروپ ملایا جاتا ہے کیوں کہ بغیر گروپ ملائے ڈاکٹر محمد علی کلے باکسر کا خون بھی نہیں چڑھائے گا۔ اسی طرح اپنے دل کی مناسبت بھی دیکھ لو کہ اس اللہ والے سے دل ملتا ہے یا نہیں؟ پھر جس اللہ والے سے مناسبت ہو جائے اس کے پاس آنا جانا رکھو، دو رکعات صلوٰۃ الحاجات پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے روؤ اور اپنے بزرگوں سے اپنی اصلاح کی دعائیں کراؤ ان شاء اللہ تعالیٰ! محرومی نہیں رہے گی غیب سے انتظام ہوگا۔ جب اللہ تعالیٰ دنیاوی حلال نعمتوں کی دعائیں رد نہیں فرماتے تو جو خدا سے خدا کو مانگتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کیسے محروم رکھیں گے۔

زیادہ علم اور زیادہ عبادت سے نفس اور پھولتا اور بگڑتا ہے

اللہ والے سکھاتے ہیں کہ نیکی کر کنویں میں ڈال یعنی نیکی پر نظر نہ ہو، نظر صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت پر ہو۔ اس کے لیے نفس کو مٹانا ضروری ہے، یہ خود سے نہیں مٹتا جب تک کہ کوئی مٹانے والا نہ

ہو۔ علم اور عبادت یہ دو چیزیں نفس کو اور بڑھا دیتی ہیں۔ مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہی بتایا کہ علم اور عبادت کے نشہ سے نفس نہیں مٹتا بلکہ نفس اور پھولتا ہے۔ یہ صرف شیخ کی صحبت سے مٹتا ہے۔ جب ایک بندہ ایک بندے کی غلامی کرتا ہے تو نفس کو بہت شاق گزرتا ہے کہ میں بھی بندہ یہ بھی بندہ۔ اب اگر شیخ نے کسی مصلحت کی وجہ سے کہہ دیا کہ آج کل نوافل مت پڑھنا تو دل چاہے یا نہ چاہے شیخ کی بات ماننی ہے۔ (اہل دل کے تڑپا دینے والے واقعات، ص/78)

موجودہ دور میں علماء کی ناقدری کی وجہ کیا ہے؟

لوگ کہتے ہیں کہ مولویوں کی تقریر میں مزہ نہیں آتا۔ مزہ اس لیے نہیں آتا کہ ہم نے صحبتِ اہل اللہ نہیں اٹھائی ہم مجاہدہ سے نہیں گزرے۔ دیکھیے! میں اپنے کو شامل کر کے کہہ رہا ہوں کہ ''ہم نہیں گزرے'' تا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ تو میرے ہی لیے کہہ رہے ہیں، میری ہی طرف رُخ ہے۔ نہیں، ہمارے بزرگوں نے ہمیں سکھایا ہے کہ اپنے کو شامل کرو۔ لہٰذا جب کوئی شخص یہ کہے کہ کیا بُرا حال ہے لوگوں کا! تو سمجھ لو کہ سب سے بُرا انسان یہ خود ہے۔ لہٰذا اپنے کو پہلے شامل کرو کہ ہم لوگ مجاہدے سے نہیں گزرے۔ جنہوں نے اپنے کو مجاہدے سے گزارا اللہ نے آج بھی ان کی تقریر میں درد رکھا ہے ؎

مجھ کو جب وادیٔ حسرت سے گزارا اس نے
ہر بُنِ مو سے مرے خون کا دریا نکلا

لاکھ دنیا کے حاسدین جمع ہو کر مجاہدات سے گزرے ہوئے لوگوں پر خاک ڈالیں لیکن ان کی نسبت مع اللہ کے آفتاب کو چھپا نہیں سکتے، ان کا دردِ دل چُھپ نہیں سکتا۔ اس پر میرا ایک شعر سن لیجیے ؎

ایک قطرہ وہ اگر ہوتا تو چُھپ بھی جاتا
کس طرح خاک چھپائے گی لہو کا دریا

جو اللہ کو خوش کرنے کے لیے اپنی بُری خواہشات کا، اپنی حرام تمناؤں کا خون کرتا ہے بُری خواہشات کے خون کا دریا جس کے دل میں بہتا ہے اس کے دریائے خونِ دل اور خونِ تمنا کو کوئی نہیں چھپا سکتا۔ میرے شیخ کی یہ بات یاد کرلو! فرماتے تھے کہ جب کوئی غیر عالم اللہ والا بنتا ہے تو وہ صاحبِ نور ہوجاتا ہے لیکن جب عالم اللہ والا بنتا ہے تو وہ نُوْرٌ عَلٰی نُوْر ہوجاتا ہے۔ ایک علم کا نور اور ایک اس کے تقویٰ اور ذکر وفکر کا نور۔ تو یہ فرمایا کہ دیکھو! کچا کباب کھا کر متلی ہونے لگتی ہے اور آدمی اسے تھوک دیتا ہے لیکن اگر تل دیا جائے تو دور تک اس کی خوشبو پھیل جاتی ہے۔ پھر کہنے کی ضرورت نہیں رہتی کہ کس محلے میں کباب کی دوکان ہے، دور دور تک اس کی خوشبو اس کا پتا بتاتی ہے۔ (اہل اللہ کی قدر کرو، ص/56)

عالمِ منزل کے بعد بالغِ منزل ضروری ہے

حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ نے ارشاد فرمایا کہ نقوش اور الفاظ پڑھا دینا اور ہے اور اللہ کو پا جانا اور ہے۔ عالمِ منزلِ لیلیٰ اور ہے اور بالغِ منزلِ لیلیٰ اور ہے۔ مجنون بہت سے بنے ہوئے ہیں، کوئی چالاک مجنون بھی ہے وہ منزلِ لیلیٰ کا جغرافیہ پڑھاتا ہے اور تنخواہ لیتا ہے مگر کبھی لیلیٰ تک نہیں گیا۔ یہ عالمِ منزل تو ہے بالغِ منزل نہیں ہے۔ اس کا پڑھانا بھی خشک ہوگا۔ نہ یہ خود مست ہوگا نہ دوسروں کو مست کرے گا۔ اصلی مجنون جو بالغ منزل لیلیٰ اور عاشق لیلیٰ ہے وہ جب پڑھائے گا تو خود بھی مست ہوگا اور دوسروں پر بھی وجد طاری کرے گا۔ مدرسوں میں علم منزل مولیٰ سکھایا جاتا ہے اور خانقاہوں میں بلوغ منزل مولیٰ کا انتظام کیا جاتا ہے کہ علمِ منزل رکھنے والے بالغِ منزل ہوجائیں۔ اللہ تک پہنچ جائیں خانقاہوں سے، اللہ والوں کی صحبت سے۔ جب عالمِ منزل بالغِ منزل ہوجاتا ہے اپنے علم پر عمل کرکے، اہل اللہ کی برکت سے اللہ تک پہنچ جاتا ہے پھر اس کا

درس خشک درس نہیں ہوتا، درسِ محبت ہوتا ہے۔ یہ جب اللہ کا نام لیتا ہے، اللہ کی طرف بلاتا ہے تو خود اس کی روح پر زلزلہ طاری ہوتا ہے۔ لہٰذا دوسری روحوں کو بھی مست کر دیتا ہے۔ ہزاروں اس کی صحبت سے اللہ والے بن جاتے ہیں۔ لہٰذا محض عالمِ منزل ہونا کافی نہیں بالغِ منزل ہونا ضروری ہے۔ اسی لیے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث پڑھنے پڑھانے کا مزہ جب ہے کہ پڑھانے والا بھی صاحبِ نسبت ہو اور پڑھنے والا بھی صاحبِ نسبت ہو۔ (نسبت مع اللہ، ص/89)

اپنی کثرت عبادت ہی میں مشغول مت رہو کسی اللہ والے کے پاس جا کر بیٹھو، تمہاری دو رکعت ایک لاکھ رکعت کے برابر ہو جائے گی

حضرت پھولپوریؒ نے ارشاد فرمایا کہ ہوائی جہاز ڈھائی گھنٹے میں جدہ پہنچ جاتا ہے اور ریل شاید ایک ماہ میں پہنچے لہٰذا عبادت کی کثرت مت دیکھو۔ عارف کی دو رکعت غیر عارف کی لاکھ رکعت سے افضل ہے۔ اس لیے ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ اپنی کثرتِ عبادت میں ہی مشغول مت رہو۔ کسی اللہ والے کے پاس جا کر بیٹھو تو تمہاری دو رکعت ایک لاکھ رکعت کے برابر ہو جائے گی کیوں کہ ان کی صحبت کی برکت سے تمہارے اندر دین کی سمجھ اور اللہ کی محبت اور معرفت پیدا ہو گی۔ اللہ والوں کی صحبت کا ایک عجیب انعام ہے یعنی محنت کم اور مزدوری زیادہ۔ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ مولانا رومی اپنے شیخ شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر وجد کرتے ہیں؟ ایک ہی مصرع میں چار چار بار شیخ کا نام لیتے ہیں ؎

من نہ جویم زیں سپس راہِ اثیر
پیر جویم پیر جویم پیر پیر

حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر مولانا رومی ہزار سال عبادت کرتے تو وہ

قربِ عظیم نصیب نہ ہوتا جو انہیں شمس الدین تبریزی کی چند دن کی صحبت سے نصیب ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے شیخ کے گرویدہ و عاشق ہیں اور ان کے نام سے مست ہو جاتے ہیں۔ آدمی جس سے پاتا ہے اس کی گاتا ہے۔

اکابر علماء اور مشائخ حضرت رابعہؒ کی خدمت میں

حضرت عبدہ جو بڑی نیک خاتون گذری ہیں آپ حضرت رابعہ کی دوست تھیں آپ بیان کرتی ہیں کہ حضرت رابعہ کا قاعدہ تھا رات بھر عبادت کرتیں اور بعد نماز فجر تھوڑی دیر کے لئے مصلے پر ہی سو جاتیں پھر صبح ہوتی تو بیدار ہو کر اپنے نفس کو ملامت کرتے ہوئے پھر عبادت میں مشغول ہو جاتیں۔ آپ رات اور دن میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھتیں۔ آپ کے یہاں بڑے بڑے نامور فقیہ، محدث، اولیا حاضر ہوتے اور علم و فضل سے فیض حاصل کرتے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ مسائل دریافت کرنے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ آپ کا لقب تاج الرجال تھا۔ زہد و عبادت سے آپ کو اوائل عمر سے ہی ایسا شغف ہو گیا تھا کہ آپ نے ساری زندگی شادی نہیں کی۔ ایک دفعہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے فرمایا کہ رابعہ کسی سے نکاح کر ڈالو۔ آپ نے فرمایا کہ نکاح ایسے شخص کے لئے ضروری ہے جو اپنی ہستی اور وجود رکھتا ہو اور میں ذی روح نہیں ہوں بلکہ خدا کی مملوکہ ہوں۔

ایک مرتبہ حضرت رابعہ کی خادمہ نے آپ سے عرض کی کہ بہار کا موسم آ گیا ہے۔ حجرے سے باہر تشریف لا کر قدرت کی صنعت کا مشاہدہ کریں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے صانع کی حضوری سے اتنی فرصت کہاں کہ اس کی صنعت کا مشاہدہ کرتی پھروں۔ (امت کے روشن چراغ، ص/38)

علماء کو شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے علماء سے ایسے ہی نہیں فرمایا تھا کہ مدرسہ سے فارغ

ہونے والے علماء! مساجد کے منبر سنبھالنے سے پہلے جاؤ کسی اللہ والے کی صحبت میں چھ مہینے سال بھر رہ لو، ان کی جوتیاں اُٹھاؤ تا کہ جو کتابیں تم نے پڑھی ہیں اُن کتابوں کا مولیٰ تمہارے دل میں متجلی ہوجائے، تمہارا قلب حاملِ تجلیاتِ الٰہیہ ہوجائے تو پھر تمہاری شان کچھ اور ہی ہوگی۔ تم دریاؤں کے کنارے، جنگلوں میں، پہاڑوں کے دامنوں میں، پھٹے ہوئے کپڑوں کے ساتھ اپنے دردِ دل کی خوشبو پھیلا دو گے اور یہ نوکروں والے، مال والے تمہیں سلام کریں گے، تمہیں ڈھونڈیں گے کہ وہ کہاں گیا جو دوائے دردِ دل دیا کرتا تھا، وہ کہاں اپنی دوکان بڑھا گیا۔ حکیم اختر صاحبؒ نے فرمایا۔

دامنِ فقر میں مرے پنہاں ہے تاجِ قیصری
ذرّہ دردِ دل ترا دونوں جہاں سے کم نہیں

علماء کو امراء اور ان کے محلوں سے احتیاط کا معاملہ رکھنا چاہئے اگر دین کا نقصان ہو تو نہ جائیں

حکیم اختر صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ فلاں مولوی صاحب نے ٹیلی فون پر بتایا کہ ایک جگہ پر بڑے بڑے آدمی موجود تھے، بینک کے ایک آفیسر نے پاکولا کی دعوت کردی، اگر اس وقت میں انکار کرتا کہ یہ آمدنی حرام ہے تو ایک مسلمان کی بے آبروئی ہوتی اس لیے مجبوراً پی لیا۔ انہوں نے سوچا ہوگا کہ بعد میں استغفار کرلوں گا مسلمان کی آبرو بچانا بھی دین ہے۔ ان صاحب کا شہرہ دور دور ہوگیا ہے امرا سے بھی واسطہ رہتا ہے ایسے میں دین کی حفاظت مشکل ہوجاتی ہے۔ شکر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے بے نام ونشان رکھا ہے۔

اَلْعُلَمَاءُ اُمَنَاءُ الدِّیْنِ حَتّٰی لَمْ یُخَالِطِ الْاُمَرَاءَ۔

یعنی علما دین کے امین ہیں جب تک کہ اُمرا سے اختلاط نہ کریں۔ اس لیے اپنے بزرگوں کا قاعدہ تھا کہ اُمرا کے دروازے پر نہیں جاتے تھے بلکہ اُمرا ہی ان کے دروازے پر آتے تھے۔

عالم کو چندہ کرنا نہیں کروانا چاہئے

حضرت حکیم اختر صاحبؒ نے فرمایا: میں نے ڈھا کہ میں ایک محدث کے لیے ایک رئیس سے کہا کہ یہ بہت بڑے محدث ہیں آپ ان کے مدرسے میں جا کر خود چندہ دے دیں۔ کیوں کہ انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ وہ مقروض ہیں۔ اس رئیس نے کہا کہ ان محدّث صاحب سے کہیے گا کہ وہ آ کر میرے گھر سے پیسے لے لیں۔ میں نے کہا کہ آپ گھر کیوں بلا رہے ہیں؟ کیا اس میں دین کی عظمت ہے؟ کہا نہیں وہ ہر مہینہ رسید بک لے کر خود آتے ہیں۔ تو آپ ہی بتائیے یہ کیا ہے؟ بس ہم کچھ نہیں کہتے ہیں، جن کے نزدیک اس طرح سوال کرنا جائز ہے وہ جانیں مگر اختر نے جو اپنے بزرگوں سے سیکھا ہے کہ اُمراء کے سامنے استغنا سے رہو لیکن جو لوگ میرے مزاج سے واقف ہیں اور بعض دفعہ میرے ساتھ سفر میں رہے ہیں، افسوس ہے کہ میرے مزاج کی رعایت نہیں کرتے، ان سے کہتا ہوں میرے مزاج کے خلاف کوئی بات ایسی میرے کان میں مت ڈالو کہ جس سے میں تمہاری محبت میں مجبور ہو کر لوگوں کو توجہ دلاؤں یہ میری غیرت اور میرے دینی مزاج کے خلاف ہے۔ (صحبت اولیاء، ص/76)

مولانا گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اصلاح میں سختی

حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ اصلاح میں سختی کرتے تھے بہت ڈانٹتے تھے، اور ایسی سختی کرتے کہ مولانا حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے آدمی گھبرا گئے۔ حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خود لکھا ہے (یعنی کانپور سے گنج مرادآباد مولانا سے ملنے جانے کا واقعہ پھر فرمایا کہ مولانا فضل الرحمن صاحب کے یہاں حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی آئے ہیں اور وہ تین دعا کر کے آئے۔

ایک تو یہ کہ کسی سے راستہ پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ بغیر راستہ پوچھے وہاں تک پہونچ جاؤں۔ ایک یہ کہ مجھ سے ناراض نہ ہوں۔ ایک یہ کہ مجھے دعا دیدیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ راستہ پوچھنے کی نوبت نہیں آئی بغیر راستہ پوچھے وہاں پہنچ گئے، ناراض بھی نہیں ہوئے ان پر اور دعا بھی دیدی پھر فرمایا کہ مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے یہاں آئے ہیں ان کو دور سے آتے دیکھ کر ہی ناراض ہو گئے کہ یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔ واپس ہو جاؤ، وہ واپس ہو گئے۔ اس کے بعد یکا یک الہام ہوا کہ بڑے اونچے آدمی ہیں، فوراً ایک آدمی بھیجا کہ ایسی ایسی صورت کے آدمی ہیں ان کو بلا کر لاؤ وہ گیا اور مفتی صاحب کو بلا لایا یہ آگئے تب ان کا اعزاز فرمایا۔

شیخ سے مستقل رابطہ رکھیں

اصلاح کے لئے دوسری ضروری بات یہ ہے کہ اپنے شیخ سے مستقل رابطہ اور اس کے لیے مستقل تگ ودو کی ضرورت ہے، جب تک مستقل رابطہ اور تگ ودو نہ ہو، اس وقت تک اصلاح نہیں ہوتی؛ باطنی اصلاح کا نظام بالکل ایسا ہی ہے، جیسا کہ جسم کے علاج کے لیے طبِ ظاہری کا سلسلہ ونظام ہے۔ ظاہری وجسمانی بیماری آتی ہے، تو ڈاکٹر سے رابطہ ہوتا ہے، اس کے بعد اس کے علاج ومعالجہ کے لیے مستقل محنت شروع ہو جاتی ہے، دوائی کھائی جاتی ہے، مشورہ لیا جاتا ہے اور کبھی انجکشن لیا جاتا ہے اور کبھی اس سے بھی آگے بڑھ کر آپریشن کیا جاتا ہے، ان سارے ہی مراحل سے گذرنے کے بعد انسان کو صحت نصیب ہوتی ہے۔

بالکل اسی طرح روحانی بیماریوں کے علاج کے لیے بھی سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے شیخ سے مستقل رابطہ رکھے اور وقتاً فوقتاً ان کی خدمت میں، ان کی مجالس میں حاضر ہوتا رہے، اپنے احوال کی برابر اطلاع کرے اور ان کے مشورے پر عمل کرتا رہے اور اس کے پیچھے محنت ومجاہدہ ہو، جب اس طرح

آدمی اپنی اصلاح کے لیے مستقل لگا رہتا ہے، تب جا کر اصلاح ہوتی ہے؛ لیکن اس میں بھی آج کل بڑی کوتاہی ہے کہ لوگ بیعت تو ہوجاتے ہیں، پھر غائب ہوجاتے ہیں، سالوں بعد نظر آتے ہیں ،عرصے بعد نظر آتے ہیں، اس طرح اصلاح نہیں، ایسی بیعت سے فائدہ مکمل نہیں ہوتا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس بھروسے نہ رہنا کہ شیخ کو کشف ہوجائے گا، شیخ خود معلوم کرلیں گے اپنے کشف سے اور ہماری اصلاح کردیں گے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ نہیں؛ بل کہ سالک و مرید خود شیخ کو بتائے اپنی بیماری کہ میرے اندر یہ یہ بیماریاں ہیں۔

شیخ کو کشف ہونا ضروری نہیں ہے، بہت سارے اہل اللہ ایسے ہیں کہ ان کو پوری زندگی میں ایک بار بھی کشف نہیں ہوتا، پھر بھی وہ بزرگ ہی ہیں، کشف کوئی معیار بزرگی نہیں ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ کشف تو گدھوں کو بھی ہوتا ہے اور دلیل میں یہ کہتے تھے کہ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبرستان میں مردوں کو جو عذاب ہوتا ہے، وہ ساری مخلوقات کو سنائی دیتا ہے؛ لیکن جنات اور انسانوں کو سنائی نہیں دیتا۔ (البخاري:۱۳۳۹، أبوداود:۴۷۵۵، مسند أحمد:۱۸۶۳۷)

دیکھو! انسان کو تو نظر نہیں آرہا؛ لیکن گدھوں کو نظر آرہا ہے، تو دیکھو گدھوں کو کشف ہورہا ہے، کتوں کو کشف ہورہا ہے؛ مگر انسان کو نہیں ہورہا ہے۔

الغرض کشف کا ہونا لازم نہیں؛ بلکہ ایسے بہت سے بزرگانِ دین ہیں، جن کو کشف نہیں ہوتا اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ بہت سے بزرگوں کو اللہ بتادیتے ہیں، دل پر اللہ منکشف کردیتے ہیں؛ لیکن ہر جگہ ضروری نہیں ہے۔

لہٰذا سالکین کو چاہیے کہ وہ اپنے اپنے شیخ کی مجلس میں جائیں، ان کے پاس رہیں اور ان کو اپنے حالات بتائیں اور اصلاح لیتے رہیں۔

بدگمانی سے بچو ورنہ سارا تقویٰ وطہارت دھرارہ جائے گا

حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا: بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی بھی بڑا جھوٹ ہے، مگر آجکل بدگمانی کو گناہ نہیں سمجھا جاتا، پھر بدگمانی بھی کسی بڑی وجہ سے نہیں کی جاتی ذرا سا اشارہ سن لیا اور طومار باندھ دیا یاد رکھو یہ بہت سخت گناہ ہے۔ان باتوں سے احتیاط کرو ورنہ سارا تقویٰ وطہارت دھرارہ جائے گا۔ (وعظ رجاء اللقاء ملحقہ موت وحیات ص ۵۷)

افسوس یہ ہے کہ اس مرض میں علماء اور مشائخ تک بھی مبتلا ہیں جہاں ان کے مقربین میں سے کسی نے کسی کے متعلق کوئی بات کہہ دی اس پر ایمان لے آئے، ذرا بھی تحقیق نہیں کرتے کہ اس کی اصل بھی کچھ ہے یا نہیں۔آج کل مشائخ کو اپنے خاص معتقدین اور مقربین پر بہت ہی اعتماد ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جس کو چاہتے ہیں مشائخ کی نظر سے گرادیتے ہیں، گویا کسی کو مقبول ومردود کردینا بالکل ان کے اختیار میں ہوتا ہے، حالانکہ اگر محدثین اور فقہاء کے اصول پر جانچا جائے تو میں سچ کہتا ہوں کہ خود مشائخ میں بھی ایسے کم نکلیں گے جن کو محدثین ثقہ کہہ سکیں، ان کے مقربین اور معتقدین تو کس شمار میں ہیں، جن محدثین نے بڑے بڑے زاہد اور عابد لوگوں کو یہ کہہ دیا کہ حدیث بیان کرنے میں ضعیف ہیں اگرچہ زاہد اور عابد بہت بڑے ہیں، وہ آج کل کے زاہدوں کو کب ثقہ مان سکتے ہیں۔ (وعظ رجاء اللقا ملحقہ موت وحیات ص ۵۷)

اہل مدارس اور علماء ومشائخ کے لئے ضروری ہدایت سنی ہوئی بات پر یقین کرنے کا شرعی دستور العمل

علماء اور مشائخ کو چاہئے کہ روایات میں بالکل محدثین کے قواعد برتا کریں جو شخص پوری بات بیان نہ کرتا ہو، یا ہر بات کو سند سے بیان نہ کرسکتا ہو اسکی بات کا کبھی اعتبار نہ کریں۔

جب کوئی شخص کسی کے متعلق کوئی بات کہے اس سے فوراً پوچھیں کہ تم نے خود اس کا مشاہدہ کیا یا کسی سے سنا؟ اگر وہ اپنا مشاہدہ بیان کرے تو اس پر اس سے گواہوں کا مطالبہ کیا جائے اگر گواہ نہ لا سکے تو اس کو دھمکا دیں یا اور کوئی سزا دیں اور یہ کہہ دیں کہ آئندہ کوئی بات ثبوت شرعی کے بغیر ہمارے سامنے بیان نہ کرو، اور اگر وہ یہ کہے کہ میں نے کسی سے سنا ہے تو اس کا نام دریافت کیا جائے کہ کس سے سنا ہے، کب سنا ہے، کس طرح سنا ہے اس کے کیا الفاظ تھے پوری بات بیان کرو ، اپنی طرف سے کم زیادہ نہ کرو، اس کے بعد اس دوسرے شخص کے حال کی تفتیش کرو کہ وہ نیک ہے یا فاسق اور اس نے خود بھی مشاہدہ کیا ہے یا کسی سے سنا ہے۔

اسی طرح اگر مقربین کی روایات میں تفتیش کی جایا کرے تو اس وقت معلوم ہو کہ یہ مقربین ہیں یا مکربین یعنی مکر کی تاک میں لگے رہنے والے غرض، بے تحقیق بات پر کبھی کان نہ لگانا چاہئے، نہ بلا وجہ کسی سے بدگمان ہونا چاہئے۔

طلبہ اور ذاکرین میں قصداً جھوٹ بولنے کا مرض (عام طور پر) تو نہیں مگر قیاس دوڑانے کا بہت مرض ہے کہ میں نے تو یہ سمجھا تھا، اس لئے کسی کی بات پر بلا تفتیش (وتحقیق) کے اعتماد نہ کرنا چاہئے۔ (وعظ رجاء اللقاء ملحقہ موت وحیات ص ۵۸)

دوسروں کی شکایت سے اثر نہ لینے کے متعلق حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے عمل سے سبق لیں

ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ حضرت کو ایک شخص نے پرچہ لکھ کر دیا اس میں یہ مضمون تھا کہ آپ کا فلاں مرید ایسے ایسے کام کرتا ہے اس کو منع کر دیجئے ورنہ اندیشہ ہے کہ لوگ حضرت سے بداعتقاد ہو جائیں گے، حضرت نے فرمایا کہ بھائی دوسروں پر کیوں رکھتے ہو اگر

تمہارا جی بد اعتقاد ہونے کو چاہتا ہے تو تم بد اعتقاد ہو جاؤ، اور مجھے تم لوگوں کی بد اعتقادی سے کیا ڈراتے ہو میں تو خدا سے چاہتا ہوں کہ مخلوق مجھے چھوڑ دے، اور مردود سمجھ کر مجھ سے سب الگ ہو جائیں اے بس میں ہوں اور میرا خدا، مجھے تو تم لوگوں کے اعتقاد نے پریشان کر دیا ہے کہ مجھے اپنے خدا کو یاد کرنے کا بھی یکسوئی کے ساتھ وقت نہیں ملتا۔

اگر کسی کا یہ مزاج ہو جائے تو اس کو منصب اور امامت وشہرت سے خود ہی نفرت ہو جائے گی، اور اگر یہ مزاج نہ ہو اور شہرت کی ہوس ہی ہو تو اس کی تحصیل کا بھی وہ طریقہ نہیں جو رسمی علماء نے آج کل اختیار کیا ہے بلکہ اس کا طریقہ بھی اپنے کو فنا کرنا اور مٹانا ہی ہے، اپنے کو جتنا مٹاؤ گے اتنا ہی مشہور ہو گے۔ گو اس نیت سے فنا کا اختیار کرنا مذموم ہے مگر اس پر شہرت کا ترتب ضرور ہو جائے گا جو تمہارا مقصود ہے، نیز اہل اسلام تمہاری پارٹی بندیوں کے ضرر سے محفوظ رہیں گے۔ (الفاظ القرآن ص ۱۲۳، ۱۲۴ ملحقہ التبلیغ ج ۱۸)

میں فضیحت نہیں کرتا نصیحت کرتا ہوں

حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں: حاجی عبدالرحیم صاحب بھائی مرحوم کے ملازم تھے ان کے متعلق میرے بڑے گھر میں سے ایک معاملہ میں مجھ سے شکایت کی، میں نے فوراً آدمی بھیج کر حاجی جی کو بلایا اور دروازہ میں کھڑا کر کے کہا کہ تمہارے متعلق یہ روایت بیان کرتی ہیں، حاجی جی نے کہا غلط شکایت ہے اس پر میں نے گھر میں کہا کہ یہ انکار کرتے ہیں اور تم نے دعویٰ کیا ہے لہٰذا ثبوت دو، ثبوت تمہارے ذمہ ہے، ثبوت ندارد، کہنے لگیں کہ توبہ توبہ تم تو ذرا سی دیر میں آدمی کو فضیحت (رسوا) کر دیتے ہو، میں نے کہا کہ میں فضیحت نہیں کرتا، نصیحت کرتا ہوں، روایت کا یہ سلسلہ اچھا نہیں معلوم ہوتا، اس سے دل میں عداوتیں پیدا ہوتی ہیں۔ (الافاضات الیومیہ ص ۱۵۹ ج ۱)

فائدہ: دیکھا آپ نے حضرت حکیم الامتؒ نے سنی ہوئی شکایت کی کیسے تحقیق کی، ہمیں بھی ایسا ہی بننا چاہئے۔

مجھے جوعلوم وحقائق حاصل ہوئے یہ اپنے بڑوں کے ادب کی برکت ہے

فرمایا: یہ خدا تعالیٰ کی نعمت اوراس کی دَین ہے کہ ایسے مفید علوم قلب پر وارد ہوجاتے ہیں جس کا ظاہری سبب جو مجھ کو اب معلوم ہوتا ہے اور جو چیز مجھ کو اب محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ میں نے بزرگوں کا ادب اوران کی اطاعت ہمیشہ کی ہے اوران کی لغزشوں (غلطیوں) پر کبھی نظر نہیں کی۔ اگر کسی بزرگ سے کبھی کوئی لغزش بھی ہوئی تب بھی ان کے ساتھ ادب ہی سے پیش آیا، وعظ میں توسب کی غلطیوں کا ردنام کا اظہار کئے بغیر کردیتا تھا لیکن ان کی خاص مجلس میں جب کبھی حاضری کا اتفاق ہوتا ہمیشہ ادب سے گردن جھکا کرہی بیٹھتا اوردل سے سمجھتا کہ یہ میرے بزرگ ہیں، اورخواہ کوئی کسی بھی مشرب کا ہولیکن ہودرویش (صوفی) یعنی اللہ اللہ کرنے والا، دکاندار (فاسق) نہ ہواس کی بھی میں نے دعا لی ہے، غرض اللہ اللہ کرنے والوں کا میں نے ادب ہی کیا ہے، کبھی ان کا دل نہیں دکھایا بلکہ ہمیشہ دعائیں ہی لیں، یہاں تک کہ اپنے ماموں صاحب سے بھی جن سے مشرب کا اختلاف ہونے کی وجہ سے قطع تعلق تک کرنا پڑا (لیکن ان کے ساتھ بھی) کبھی بے ادبی کا برتاؤ نہیں کیا مگر وعظوں میں اس مشرب کا ہمیشہ رد کرتا رہا۔

غرض میں نے ہمیشہ بزرگوں کا ادب کیا اوران کی دعائیں لیں اوران دعاؤں ہی کی برکت ہے جو آج یہ مفید باتیں ذہن میں آجاتی ہیں، اوروالله میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اپنی حالت جو میں دیکھتا ہوں توکوئی چیز اپنے اندر نجات کی نہیں پاتا سوائے ضعیف ایمان کے، پھربھی جو یہ علوم وحقائق اورمفید باتیں قلب پر وارد ہوجاتی ہیں تو یہ بزرگوں کی دعاؤں کی اوران کا ادب کرنے کی برکت نہیں تو اور کیا ہے، اور واقعی بزرگوں کا ادب ہے بھی بہت ضروری عمل، مگر اللہ اللہ کرنے والے ہوں، خواہ وہ کسی بھی مشرب کے ہوں، حتیٰ کہ اگر کسی غلطی میں بھی مبتلا ہوں اس حالت میں بھی ان کا اتباع تو نہ کرے لیکن ان کی شان میں کوئی گستاخی بھی نہ کرے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو والد کے کفر کو بھی مانع ادب نہیں سمجھا حالانکہ صرف بت پرست ہی نہیں تھے بلکہ بت تراش بھی تھے لیکن پھر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام جب ان کو نصیحت کرتے ہیں تو یا اَبت یا اَبت کہہ کر خطاب فرماتے ہیں یعنی اے میرے ابّا، اے میرے ابا، یہ ادب نہیں تو اور کیا ہے۔

اور ادب میں کوئی باپ ہی کی تخصیص نہیں ہے، بڑی عمر کا کوئی بھی آدمی ہو سب کا ادب کرنا چاہیے، لیکن خلاف شرع امور میں ان کا اتباع نہ کرنا چاہیے۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۳۰۹ ج ۵، قسط ۳)

ایک عالم کے ولی اللہ بننے کا عبرت آموز واقعہ

ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک عالم نفلی حج کو جا رہے تھے، ان سے ایک بزرگ نے پوچھا کہ کہاں جاتے ہو؟ کہا کہ حج کرنے۔ کہا کہ جس کے گھر جا رہے ہو اس گھر والے سے بھی جان پہچان ہے؟ بس رونے لگے، رقت طاری ہوگئی کہ اس گھر والے سے تو جان پہچان نہیں ہے، تو فرمایا کہ میرے پاس ایک سال رہو، وہ ان کے پاس ایک سال رہے اور اس زمانے میں شیخ نے ان کو فتویٰ دینے سے، درس و تدریس کرنے سے، وعظ کہنے سے بھی روک دیا، مگر وہ بھی مخلص تھے، سمجھ گئے کہ مجھے میرا شیخ اخلاص اور اللہ کی محبت دینا چاہتا ہے، اس لیے مخلوق کے اندر نہیں جانے دے رہا ہے تاکہ خالق سے اس کو چپکا دوں، جب خالق دل میں ہوگا پھر مخلوق کی خدمت یہ اخلاص سے کرے گا۔ ملّا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ بہت سے علماء بھی ناراض ہوگئے کہ یہ کیسا پیر ہے جو درس و وعظ، پڑھنا لکھنا سب سے منع کر رہا ہے؟ لیکن جب ایک سال کے بعد انہوں نے اجازت دی کہ اب سب کام کر سکتے ہو، تو پھر سال بھر خاموشی کے بعد ایک وعظ جو کہا تو سب رونے لگے۔

بڑے پیر صاحب شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے صوفیو! اور اے علماء! پہلے شیخ کے پاس اپنا مٹکا بھرو، جب مٹکا بھر کر چھلکنے لگے تو چھلکتا ہوا مال مخلوق کو دو، اپنا مٹکا

مت خالی کرو۔تو جب وہ عالم اللہ والے بن گئے تب ان کا ایک وعظ ہوا اور مسجد میں جتنے لوگ تھے سب ولی اللہ ہو گئے، تب وہ عالم رونے لگے کہ دس سال تک میں نے وعظ کہا اور کوئی ولی اللہ نہ بنا، لیکن اس اللہ والے کی غلامی کے صدقے میں اب میرے دل میں وہ درد ومحبت اور اللہ کی نسبت قائم ہوگئی کہ آج میری زبان میں اللہ نے وہ اثر رکھا ہے کہ جہاں وعظ کرتا ہوں سارے سامعین ایک ہی وعظ میں صاحبِ نسبت ہورہے ہیں۔ یہ کوکر کی شان ہے کہ پہلے جو بریانی چھ گھنٹے میں پکتی تھی آج کل کوکر میں آدھے گھنٹے میں تیار ہوجاتی ہے۔ جب دل اللہ کے عشق میں اور گناہ سے بچنے کا غم اٹھا کر جلا بھنا کباب ہوتا ہے تو اس کی صحبت سے لوگ جلد صاحبِ نسبت اور ولی اللہ ہوجاتے ہیں۔ (آفتاب نسبت مع اللہ، ص/247)

صوفیا اور علماء کے لیے سب سے بڑا مجاہدہ

حضرت حکیم اختر صاحبؒ نے فرمایا: صوفی اور مولوی جو ہوتا ہے اس کا مزاج ہمیشہ عاشقانہ ہوتا ہے، اس لیے ان کے لیے یہی ایک مجاہدہ ہے، وہ جیب نہیں کاٹیں گے، جھوٹ نہیں بولیں گے، دنیا کی محبت بھی ان کو نہیں ہوتی مگر ایک ہی مرض میں مبتلا ہوتے ہیں کہ حسن کا ایک اعشاریہ، ایک ذرّہ کسی کے چہرے پر نمک پایا بس وہیں نمک چور ہوگئے، صوفی غضب کا نمک چور ہوتا ہے۔ مولانا منصور نے اپنے ایک شعر میں کہا ہے ؎

نظر کے چور کے سر پر نہیں ہے تاجِ ولایت
جو متقی نہیں ہوتا اسے ولی نہیں کہتے

اگر کوئی خود کو مجبور سمجھے تو اس مرض کا علاج کسی شیخ، اللہ والے سے کرانا فرض ہے۔

حکمران علماء کو کیسے اپنے جال میں لیتے ہیں

حکمران اکثر علماء کو تحفے تحائف اور ہدیے دیتے ہیں، پیسے دیتے ہیں، خصوصی احسانات

کرتے ہیں، لیکن بعد میں غلط مسئلوں پر دستخط لیتے ہیں، علماء کو پھنسانے کیلئے حکمران ہمیشہ یہ جال بچھاتے ہیں، اسی خوف کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ اور سفیان بن عیینہ نے قضاء کے عہدوں کو قبول نہیں کیا تھا۔ عبدالملک بن مروان نے سعید بن المسیّبؒ کو بہت بڑی رقم پیش کی تھی لیکن انہوں نے قبول نہیں کی۔

امام بخاریؒ کو بادشاہ وقت نے کہا کہ ''میرے دربار میں میرے بچوں کو تعلیم دیں، میں آپ کو تنخواہ دوں گا'' امام بخاریؒ نے کہا کہ ''علم کسی کے پاس نہیں جاتا بلکہ لوگ علم کے پاس آتے ہیں'' ہارون الرشید کو امام مالکؒ نے بھی یہی جواب دیا تھا۔ امام بخاریؒ نے ایک آدمی کو پچیس ہزار روپیہ بطور مضاربت دیدئے کہ آپ تجارت کریں منافع مشترک ہوں گے' کچھ دنوں بعد اس آدمی سے پوچھا کہ مضاربت کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کس چیز کی مضاربت۔ کہا میں نے جو آپ کو پچیس ہزار روپیہ دیئے ہیں۔ اس نے کہا کہ آپ نے مجھے کب پچیس ہزار روپیہ دیئے ہیں؟ اس نے انکار کیا۔ شاگردوں نے مشورہ دیا کہ ''گورنر کو بتائیں، وہ آپ کے شاگرد ہیں وہ اس سے آپ کی رقم وصول کرے گا''، امام بخاریؒ نے فرمایا کہ ''پھر اس کا مجھ پر احسان ہوگا اور مجھ سے غلط مسائل پر دستخط لے گا''، کیونکہ ''اَلْإِنْسَانُ عَبْدُ الْإِحْسَانِ'' (انسان احسان کا غلام ہوتا ہے)

علماء کو چاہیے کہ حکمرانوں اور بادشاہوں کے تحفے تحائف اور پیسے قبول نہ کریں، کیونکہ احسانات کرنے کے بعد موقع سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں اور علماء سے قسم قسم کے غلط مطالبات کرتے ہیں۔ (شیر علی شاہ المدنی کی درسگاہ میں، ص/ ٦٦)

دین کی آڑ میں دنیا کمانے والا عالم جہنمی ہے

اوران دنیا طلب علما کا حشر بہت بُرا ہوگا۔ چناں چہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ جو شخص اس لیے علم حاصل کرتا ہے کہ علما سے مناظرہ بازی کرے یا جاہلوں سے جھگڑے یا لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرے، تو اس کو اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل کریں گے۔ (مشکوۃ المصابیح: ۳۴)

ایک حدیث میں تین شخصوں کا ذکر ہے، جن کو باوجود نیک عمل کرنے کے جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ ان میں سے ایک وہ ہے، جو بہت بڑا عالم وقاریٔ قرآن ہوگا، اس کو حاضر کرکے پوچھا جائے گا کہ تو نے کیا عمل کیا؟ وہ اپنی کارگزاریاں سنائے گا، اس سے کہا جائے گا تو جھوٹا ہے، تو نے یہ سب نیک عمل اس لیے کیا تھا کہ تجھ کو بڑا عالم کہا جائے، لہٰذا یہاں تیرا کچھ حصہ نہیں، پھر اس کو جہنم رسید کردیا جائے گا۔ (کتاب الکبائر: ۱۴۳)

امراء کے پاس آنے جانے والا عالم جہنمی اور چور ہے، اسی سے دین کو نقصان ہوتا ہے

علمائے دنیا جن کو علما سوئے کہا جاتا ہے، آج معاشرے میں گندگی پھیلاتے اور دین کے نام پر خرافات جاری کرتے نظر آتے ہیں اور اس کارروائی سے ان کا مقصود صرف دنیا اور دنیا کی فانی و مادی چیزیں، دنیا کی محبت وجاہ کی طلب نے ان کو دین میں خرابی وفتور پیدا کرنے پر ابھار دیا ہے، حتی کہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کو کہنا پڑا کہ ہر ضعف وکمزوری جو اس زمانے میں امور شریعت میں واقع ہوئی ہے اور دین کی تقویت وملت کی ترویج میں فتور واقع ہوا ہے، یہ علمائے سو کی نحوست اور ان کی نیتوں کے فساد سے ہے۔ (المنتخبات من المکتوبات: ۵)

یہ علمائے سو دین کی ترویج کے بہ جائے، اپنے جذبۂ بد کی تسکین کے لیے خرافات کی ترویج کرتے ہیں، دین میں بدعات پیدا کرتے ہیں اور اس پر موضوع ومن گھڑت روایات پیش کرکے عوام کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں، علمائے آخرت سے لوگوں میں بدظنی پیدا کرتے ہیں اور غنی

ومال دارلوگوں سے چاپلوسی سے پیش آتے ہیں، ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں، ان کے پاس بھلے بننے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے علم کو اور ساتھ ہی دوسرے علما کو ان دنیاداروں کے سامنے ذلیل ورسوا کرتے ہیں۔ یہی وہ علمائے سو ہیں جن کے بارے میں اللہ کے رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ بدترین علما وہ ہیں، جو امیروں کے پاس آتے ہیں۔ (ابن ماجہ کذافی احیاء العلوم للغزالی: ۱/ ۶۸)

اور حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا کہ جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ وہ امیروں سے تعلق رکھتا ہے تو اس سے دور رہو کیوں کہ وہ (عالم نہیں) چور ہے۔ (ایضا)

اور حضرت سفیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جہنم میں ایک وادی ہے، جس میں صرف ان علما کا ٹھکانہ ہوگا، جو بادشاہوں کی زیارت (دنیا حاصل کرنے کے لیے) کرنے والے ہیں۔

علما کی دنیا طلبی کے برے اثرات

علمائے سو کی دنیا طلبی نے معاشرے پر جو اثرات چھوڑے ہیں، ان کی فہرست تو بڑی طویل ہے، ان کی تفصیلات پیش کرنے کا یہ موقع نہیں، البتہ یہاں ایک بات عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں: وہ یہ کہ ان دنیا طلب؛ بلکہ دنیا پرست علمائے سو کی مجرمانہ حرکتوں کی وجہ سے لوگوں نے اور خاص طور پر مال دار لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ علما ان ہی دنیا کے کتوں کا نام ہے؛ اس لیے ان کے ساتھ بھی اور دوسرے علمائے ربانیین کے ساتھ بھی وہی سلوک کرنے لگے، جو ایک کتے کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ دنیا کے کتے برابر ان دنیا داروں کو چاٹتے رہتے ہیں، جوں جوں ان کو دھتکارا جاتا ہے۔

اس صورت حال نے ایک طرف دنیا داروں کو نہ صرف یہ موقع دیا کہ وہ ان علمائے سو کو برا کہتے؛ بلکہ انھیں یہ موقع بھی ہاتھ آیا کہ علمائے ربانیین اور خود دین اسلام کو بھی برائی سے یاد کریں اور اسلام کو بری نگاہوں سے دیکھیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج مساجد میں علما، احکام اسلام کے نہیں؛ بلکہ مسجد کے صدر وسکریٹری ودیگر اراکین کے تابع فرمان وخادم وغلام بنے ہوئے ہیں۔

سمجھا یہ جاتا ہے کہ یہ علما محض اپنی ضروریات زندگی کی خاطر امامت، خطابت و تعلیم و تدریس کا مشغلہ اختیار کرتے ہیں اور یہ سمجھنے والے ان ہی علمائے سو کی حرکتوں سے یہ سمجھتے ہیں؛ لہٰذا ایک نوکر سے زیادہ ان کی وقعت و عظمت دلوں میں نہیں ہے۔

اے کاش! کہ یہ علمائے سو خدا پر توکل و اعتماد کی دولت سے مال مال ہوتے اور دنیا اور دنیا پرستوں سے اپنے آپ کو مستغنی کر لیتے، تو آج یہ ذلت و رسوائی ہرگز نہ ہوتی اور بہ جائے اس کے کہ علما؛ امرا کے پاس جاتے۔ امرا، علما کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اس کو فخر سمجھتے اور اس سے خود اپنا وقار بھی رہتا اور اسلام و شریعت کا وقار بھی قائم رہتا۔ (جواہر شریعت/ص، ۴۹۲)

علماء کی تنبیہ کیلئے شیخ جیلانی رحمہ اللہ کا ملفوظ

میں ان دنیا پرست علما کے متعلق حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا ایک ملفوظ ان کی مجالس سے نقل کرتا ہوں، جس میں آپ نے ان علما سے خطاب فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

”اے علم و عمل میں خیانت کرنے والو! تم کو ان سے کیا نسبت؟ اے اللہ اور اس کے رسول کے دشمنو! اے بندگان خدا کے ڈاکوؤ! تم کھلے ظلم اور کھلے نفاق میں (مبتلا) ہو، یہ نفاق کب تک رہے گا؟ اے عالمو! اے زاہدو! شاہان و سلاطین کے لیے کب تک منافق بنے رہو گے کہ ان سے دنیا کا زر و مال اور اس کی شہوات و لذات لیتے رہو۔“ (خطبات غوثیہ مجلس: ۵۱/ ۴۴۵)

شیخ احمد کا اپنے شیخ کی خدمت میں حاضری دینا اور شیخ کا امتحان لینا

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ شیخ احمد عبدالحق ردولوی کبیر الاولیاء شیخ جلال الدین پانی پتی خلیفہ شیخ شمس الدین ترک پانی پتی کی خدمت میں چلے، جو اپنے وقت کے مشائخ چشتیہ میں بڑے عظیم المرتبہ، عالی قدر و منزلت اور صاحبِ کشف و کرامات بزرگ تھے، پانی پت میں اس

قطبِ زماں کا وجود باجود طالبینِ روحانیت کے لئے ایک عظیم وجلیل نعمت بنا ہوا تھا، ہزاروں افراد اس دکانِ معرفت سے اپنے اپنے ظرف کے مطابق مئے توحید، شرابِ معرفت، انوارِ الٰہیہ، علومِ روحانیہ اور معارفِ ربانیہ حاصل کر رہے تھے، کہ شیخ احمد کو اللہ تعالی نے الہامِ غیبی کے ساتھ اس مرکز کی طرف متوجہ فرمایا، ادھر شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء قدس سرہ پر آپ کی حاضری منکشف ہوگئی، شیخ جلال الدین نے بغرض امتحان اپنے خدام کو حکم دیا کہ دستر خوان آج کا نہایت وسیع اور پر تکلف ہونا چاہیئے، مختلف اقسام وانواع کے کھانے، ہر قسم کی مشروبات ومطعومات لائی جائیں، حتی کہ بعض منہیات بھی دستر خوان پر رکھی جائیں اور چند عمدہ قسم کے گھوڑے زرّیں زینوں کے ساتھ آراستہ ومزین کر کے خانقاہ کے دروازہ پر باندھ دیئے جائیں، شیخ جلال الدین کا حکم تھا سارے ہی انتظامات مکمل کر لئے گئے۔

شیخ عبدالحق حاضر ہوئے خلاف توقع وامید دنیوی جاہ وجلال عیش وعشرت کے اسباب کروفر کا مشاہدہ ہوا، دل میں خیال آیا کہ اس شیخ کو ولایت وبزرگی سے کیا تعلق ہے یہ تو بالکل دنیادار آدمی معلوم ہوتا ہے، دستر خوان اور یہ جملہ امور دیکھ کر بلا بیعت رخصت ہوکر چل دیئے، تمام دن چلتے رہے حتیٰ کہ شام ہوگئی، ایک شہر کے کنارے پر پہنچے، معلوم کیا کہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ پانی پت ہے، سخت تعجب ہوا اور راستہ بھولنے کی کوئی وجہ نہ معلوم ہوئی، سخت متحیر تھے، دوسرے تیسرے دن بھی یہی صورت پیش آئی کہ دن بھر چلتے گذرتے پھر وہی پانی پت نظر آتا، ایک دن پریشانی میں ایک سفید ریش سے ملاقات ہوئی اس سے راستہ معلوم کیا، اس نے جواب دیا کہ تم راستہ شیخ جلال الدین کے یہاں گم کر آئے ہو، متحیر ہوئے آگے چلے تو دو شخص ملے ان سے راستہ معلوم کیا انہوں نے بھی یہی جواب دیا، اب کیا تھا کہ حقیقت سے واقف ہوگئے پھر پختگیٔ اعتقاد کے ساتھ خانقاہ کا عزمِ مصمم کیا اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت ہوئے اور تھوڑے ہی دنوں میں ریاضت کے بعد اس دولت عظمی خلافت وولایت سے آراستہ ہوگئے۔ (تاریخ مشائخ چشت ص ۱۸۸)

فائدہ: معلوم ہوا کہ کسی کے ظاہر کو دیکھ کر باطن پر حکم نہیں لگانا چاہئے، موجودہ دور میں اکثر علماء اور بہت سے عالم لوگ اللہ والوں سے اسی طرح بدگمان رہتے ہیں، اور یہ ایسا عجب وتکبر ہے جو ہدایت وحق سے مجروح رکھتا ہے، اللہ حفاظت فرمائے۔ (آمین)

حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتوی کا حضرت گنگوہی سے بیعت ہونا

حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتوی قدس سرہ جو مظاہر علوم کے بانیین میں سے ہیں اور اکابر اعلام میں شمار ہوتے ہیں، آپ ۱۲۳۷ھ مطابق ۱۸۲۱ء کو نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے، تاریخی نام محمد مظہر ہے مشہور عالم دین حضرت مولانا احسن نانوتوی (جو بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں) کے چھوٹے بھائی تھے، اور حضرت مولانا مملوک علی صاحب اور حضرت مولانا مفتی صدر الدین صاحب اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب وغیرہ کبار علماء، صلحاء کے تلمیذ رشید تھے ۱۸۵۷ میں شاملی کے میدان میں اکابر کے ساتھ مل کر جہاد کرنے والوں میں شامل تھے، بہت بڑے عالم فاضل علوم عقلیہ، نقلیہ کے جامع بزرگ تھے، بیعت وارشاد کے سلسلہ میں حضرت گنگوہی سے منسلک ہوئے، جس کو حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی تذکرۃ الرشید میں اس طرح لکھتے ہیں:

مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی عمر میں حضرت امام ربانی سے بڑے تھے مگر عقیدت کے اعتبار سے گویا حضرت کے جاں نثار خادم اور عاشقِ جانباز تھے، جب تشریف لاتے بے اختیار حضرت کو بوسہ دیتے اور آنکھوں میں آنسو بھر لایا کرتے۔

حضرت امام ربانی شرماتے اور یوں فرمایا کرتے کہ مولانا آپ مجھے کیوں نادم فرمایا کرتے ہیں، آپ میرے بڑے ہیں مجھ پر آپ کا ادب ضروری ہے، آپ ایسا کام کرتے ہیں تو مجھ کو بڑی شرم آتی ہے۔

مولوی محمد مظہر صاحب بصیرت تھے، حضرت کے علوشان و مرتبہ اور اپنی فرطِ محبت کے سبب جو کچھ کرتے تھے وہ ان کا طبعی تقاضا تھا، مگر حضرت امام ربانی کبرسن کے پاس ولحاظ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: من لم يرحم صغيرنا ولم يؤقر كبيرنا فليس منا کے امتثال کو بھول نہیں سکتے تھے۔ (تذکرۃ الرشید ص ۱۸۱)

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے قلب مبارک میں آپ کا ایک خاص مرتبہ و مقام تھا جس کا اندازہ ''مرقوماتِ امدادیہ'' کی ان سطور سے ہوسکتا ہے کہ ! اگر مولوی محمد مظہر نانوتہ میں تشریف رکھتے ہوں تو بعد سلام شوق ملاقات فرما کر یہ پیام دیں کہ یکتائے زمانہ کو اپنی جماعت میں اپنے دوستوں سے شمار کرتا ہوں اور دعائے خیر سے غافل نہیں ہوں، خاطر جمع فرمادیں۔

اور جو کچھ ذکر و شغل کے متعلق دریافت کرنا منظور ہو تو بذریعہ احقر یا مولوی رشید احمد صاحب کہ ان کو بجائے احقر جانیں اور معلوم کریں۔ (علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات ص ۵۰)

حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہ کو آپ سے جو تعلق تھا اس کا اندازہ مکاتیب رشیدیہ کی ان سطور سے ہوسکتا ہے، جو محدث گنگوہی نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی کو تحریر فرمائی تھیں کہ ! اب حادثۂ جدیدہ یہ ہوا کہ مولوی محمد مظہر صاحب مرحوم ۲۴ شب ذی الحجہ یک شنبہ ۱۲۰۳ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۸۸۵ء کو فوت ہوئے ، عالم اندھیر ہوا، اب سب رفیق رخصت ہوئے ، دیکھئے کب تک میری قسمت میں اس دنیا کے دھکّے لکھے ہیں ، انا للہ وانا الیہ راجعون

(مکاتیب رشیدیہ)(علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات ص ۵۳)

حضرت شیخ الہند کا حضرت گنگوہی سے استفادہ کرنے کا واقعہ

حضرت شیخ الہند حضرت الحاج مولانا محمود حسن ہندوستان کے کبار علماء ، صلحاء، اتقیاء اور

عارفین میں سے ہیں، آپ ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء میں بریلی شہر میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد مولانا ذوالفقار علی صاحب سرکاری محکمۂ تعلیم سے وابستہ تھے چنانچہ صاحب تذکرۃ الرشید لکھتے ہیں کہ آپ علوم دینیہ میں خصوصاً حدیث کے اندر شہرۂ آفاق اور بخاریٔ وقت ہیں، کمالات علمیہ وعملیہ سے مالا مال اور دولت شریعت وطریقت کے بادشاہ ہیں، اپنی حالت کا اخفا اور کتمان اس درجہ ہے کہ خواص کو پتہ لگنا دشوار ہے، حضرت مولانا قاسم العلوم رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد ہیں ۱، اس وقت آپ کی بابرکت ذات سے کئی سو بلکہ کئی ہزا علماء محدثین بن چکے ہیں، اس وقت ہندوستان میں اگر آپکو استاذ الکل کا خطاب دیا جائے تو بجا ہے، کسر نفسی اور تواضع کا سبق آپ کے قدم قدم پر ہر حرکت وسکون سے حاصل ہوتا ہے، بایں وجہ بیعت لینے سے عموماً اپنے کو بچایا مگر جو ہر کو کتنا ہی گودڑ میں دبایئے اور مشک کو کیسے ہی کپڑوں میں چھپایئے کھلے اور مہکے بغیر نہیں رہتا، آخر طالبین نے دامن پکڑا اور الحمدللہ ظاہری وباطنی نعمتوں سے مالا مال ہورہے ہیں، مولانا ممدوح کو چونکہ مولانا محمد قاسم صاحب سے بھی تعلق زیادہ تھا، اسلئے آسمان ہدایت کے ہر دو نیّرین کے رنگ نسبت سے مستفیض ہیں، مولانا کی مدتوں عادت رہی کہ جمعہ کے دن علی الصباح دیوبند سے پاپیادہ گنگوہ پہونچتے اور جمعہ کی نماز حضرت امام ربانی کے پیچھے ادا فرما کر رات کو دیوبند آلیتے تھے، کیونکہ صبح کو مدرسہ میں درس دینا رہتا تھا، ہر ہفتہ ایک دن میں چالیس کوس کی مسافت کا طے کرنا جس غلبہ شوق ومحبت میں ہوتا تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ تکان نہ مانتے تھے، حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تو چپ چپاتے جا پہونچتے اور عام خدام کی طرح بیٹھ جاتے تھے، ایک بار حضرت نے آپ کے متعلق یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ مولوی محمود حسن تو علم کا کھٹلا ہیں۔ (تذکرۃ الرشید ۱۰۴ ج ۲)۔

نیز صاحب نزہۃ الخواطر ص ۴۹۴ ج ۸ میں آپ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ آپ اللہ کی کھلی نشانی تھے، علو ہمت، اخذ بالعزیمت، جہاد فی سبیل اللہ، اللہ کی محبت، اعدائے اسلام سے نفرت وعداوت آپ کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ان جملہ اوصاف کے ساتھ نہایت متقی

وپرہیز گار اللہ کی طرف قلب وقالب سے متوجہ ہونے والے دین کی نصرت اورحق کی اعانت میں پیش پیش اللہ پرزبردست توکل اوراعتماد کی کیفیت رکھنے والے بزرگ تھے،آپ نے حضرت گنگوہی سے علوم ظاہریہ کے ساتھ علوم باطنیہ روحانیہ میں کثیر استفادہ کیا یہاں تک کہ آپ کوحضرت گنگوہی سے اجازت وخلافت حاصل ہوئی ، چنانچہ تذکرۃ الرشید میں آپ کے خلفاء اورمستفیدین میں دوسرے نمبر پرآپ ہی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

نیزبعض بزرگوں کی تحریرات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کوحضرت حاجی صاحب سے بھی براہ راست اجازت وخلافت حاصل ہوئی ، چنانچہ اقوال سلف میں صفحہ ۲۶۵ پر جہاں آپ کے حج کا تذکرہ ہے جو ۱۲۹٤ھ میں ہوا تھا،جس میں اکابراعلام امت حضرت مولانا قاسم صاحب ،حضرت مولانا رشید احمد صاحب ،حضرت شاہ رفیع الدین صاحب،حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی تھے،آپ بھی ان کے ساتھ تھے اورمرشدوں کے مرشد حضرت حاجی امداداللہ صاحب ان دنوں مکہ معظّمہ میں ہی مقیم تھے،چونکہ ہندوستان سے ہجرت فرما کر جاچکے تھے ، یہ قافلہ ان کی زیارت کوپہنچا اورحج سے فراغت کے بعد پھرمدینہ پاک گئے، پھرمدینہ پاک سے مکہ معظّمہ واپس ہوکرایک ماہ قیام ہوا، اس دوران حضرت نانوتوی کی خفیہ استدعاء پرحضرت حاجی صاحب نے نہ صرف حضرت شیخ الہند کوشرف بیعت عطافرمایا بلکہ اجازت وخلافت سے بھی سرفراز کیا اوربعد میں اجازت نامہ ہندوستان روانہ فرمایا،اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ قصہ حضرت گنگوہی سے بیعت کے تعلق کے بعد کی بات ہے، اوران کے اس تعلق کا علم حضرت نانوتوی کو بھی تھا، اورحضرت نانوتوی کوحضرت حاجی صاحب سے تعلق تھا اس تعلق کا تقاضہ یہی تھا کہ وہ ان کو بڑے حضرت کے فیوض وبرکات سے بھی مالامال کرائیں اورفیضیاب کریں اس لئے انہوں نے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں پیش کیا اورتوجہ کرائی اورحضرت حاجی صاحب نے ان کے اوصاف

وکمالات دیکھ کر اور حضرت گنگوہی کی تربیت اور اپنائیت پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے سے بھی منسلک کیا اور اجازت وخلافت سے بھی نوازا، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

نیز نزہۃ الخواطر ص ٤٩٤ ج ٨ میں بھی اسی طرح ہے: ثم اخذ الطريقة عن الشيخ رشيد احمد الگنگوہی ، وکان يترد د اليه غير مرة فى السنة ، وحصلت له الاجازة منه ، حتى كبره موت الكبراء ، لقيته بديوبند غير مرة ، ووجدته ملازماً للعبادة والورع ، وقيام الليل والسداد فى الرواية، سريع الادراک شديد الرغبة فى المذاکرة بالعلم ، ذاعناية تامة بالفقه واصوله ، بحفظ متون الاحاديث ، وانتہت اليه رئاسة الفتياوالتدريس فى آخر امره ۔

حضرت شیخ الہند کی حضرت گنگوہی سے غایت درجہ عقیدت کی وجہ

حضرت شیخ الہند کو حضرت گنگوہی قدس سرہ سے بے پناہ محبت وعقیدت تھی صاحب تذکرۃ الرشید لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ الہند نے حضرت قدس سرہ کی شان مبارک میں فرمایا باوجودیکہ حضرت قدس سرہ خاندان حضرات چشت رحمہم اللہ تعالیٰ میں منسلک تھے مگر اتباع سنت میں ایسے ثابت قدم اور درجہ مقبولیت پر پہنچے ہوئے تھے کہ صوفیاء زمانہ کو یہ دکھلا دیا کہ اصل طریقہ چشتیہ یہ ہے اور نسبت نبویہ جو بواسطہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم مشائخ تک پہنچی ہے یہی ہے اور اس اصل میں سب طرق برابر ہیں اور منتہی سب کا یہی ہے، طریق ارشاد نیا اور نہایت عجیب و پراثر تھا بہت سی رسوم مروجہ کو مٹایا اور بہت سی سننِ مخفیہ کو ظاہر فرمایا، شریعت اور طریقت کی تجدید فرمائی اس آخری زمانہ میں مدار ہدایت وارشاد آپ کی ذات بابرکات تھی، احقر کو ایک بار بوقت حاضری سرہند یہ امر قلب پر وارد ہوا کہ حضرت قدس سرہ قطب ارشاد ہیں اور اس وقت سلوک طریقہ مرضیہ ومقبولہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا طریقہ ہے، اور یہ کہ آپ مجدد ہیں، احقر نے اس اپنے خیال کو حضرت مولانا الحاج الحافظ خلیل احمد صاحب قدس سرہ خلیفۂ خاص حضرت مولانا قدس سرہ کی

خدمت میں بھی عرض کیا تو حضرت مولانا موصوف نے اس کی تصدیق فرمائی، بہر حال یہ خیال احقر کا جس درجہ کا بھی ہو حضرت قدس سرہ کی تحقیقات جدیدہ متعلق احکام شریعت وطریقت ونکات قرآن وحدیث وبیان دقائق علمیہ اور آپ کا طریق ارشاد حجۃ واضحہ امور مذکورہ کی ہے، صحت کی اور کسی کے جواب وخیال کی حاجت اس کی تصدیق کیلئے نہیں کہ ''مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید'' ذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم (تذکرۃ الرشید ص۲۶ ج ۲)۔

علماء کا فرض اور ان کی ذمہ داری

علماء کا فرض ہے کہ جس وقت بھی کوئی ایسی بدعت، کوئی منکر اور غیر مسلموں کی تقلید کی دعوت سامنے آئے تو صاف کہہ دیں کہ اسلام کا اس سے کوئی واسطہ نہیں، یہ اسلام کی روح اور تعلیمات کے منافی ہے، آج درگاہوں اور مزاروں پر جو کچھ ہو رہا ہے وہ زیادہ تر غیر مسلموں کی نقل ہے، ان اعمال ورسوم وبدعات کی تاریخ موجود ہے جن سے پتہ چل سکتا ہے کہ وہ کب اور کہاں سے شروع ہوئیں، اور ان کے محرکات کیا تھے...... خاص طور پر علماء کا فرض ہے کہ اس پر کڑی نظر رکھیں اسلامی معاشرہ میں کوئی ''راعنا'' (یعنی غیر اسلامی چیزیں) دبے پاؤں تو نہیں چلا آرہا ہے؟ جہاں آئے وہیں اس کو روک دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو وصیت کرتے ہوئے صاف طور پر ارشاد فرمایا: علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین، تمسکوا بها وعضواعلیها بالنواجذ، (میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی کرو جو ہدایت یافتہ تھے، اور اس پر مضبوطی سے ڈٹے اور جمے رہو۔ (خطبات علی میاں ص ۳۶۸ ج ۱)

اے علماء کرام قیامت میں آپ سے سوال ہوگا کہ اسلام کا یہ باغ کیسے خزاں کی نذر رہوا

آپ علماء کرام ہیں، آپ زعماء قوم ہیں، آپ میں بڑے بڑے خطیب ومقرر ہیں، آپ

انجمنوں کے بانی اوراس کے ستون ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ (یعنی آپ کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ آپ اس کی فکر اور کوشش کریں کہ) اس سرزمین کی اسلامیت باقی رہے، یہ آپ کے ذمہ واجب ہے، کل حشر کا میدان ہوگا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہوں گے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ عدالت کی کرسی پر ہوگا، اور رسول صلی اللہ علیہ کا ہاتھ ہوگا، اور آپ کا گریبان یا دامن ہوگا، آپ سے سوال ہوگا کہ اللہ نے اس سرزمین کو دولت اسلام سے مشرف کیا، اولیاء کرام کو وہاں بھیجا وہ اپنے کو خطرہ ڈال کر ااس وادی میں پہونچے انہوں نے خدا کا کلام اور پیغام وہاں کے باشندوں کو پہونچایا، پھر ہم نے اسلام کے پودے کو تن آور اور بارآور اور پرثمر درخت بنایا اور درخت سینکڑوں برس تک سرسبز شاداب اور پرثمر وسایہ دار رہا، ہزاروں مسجدیں بنیں، سینکڑوں مدرسے خانقاہیں قائم ہوئیں، جلیل القدر علماء ومحدثین وفقہاء پیدا ہوئے، لیکن تمہاری ذراسی غفلت وسستی یا اختلاف وانتشار یا کوتاہ نظری وکم نگاہی سے اسلام کا یہ باغ خزاں کی نذر ہوگیا۔ (خطبات علی میاں ص ۲۰۴ ج ۵)

حفاظ اور علماء کرام آپ پر بھی اہل اللہ کی صحبت فرض عین ہے، ورنہ ہمیشہ پچھتاتے رہو گے

میں تو حافظ وعالم بنانے سے زیادہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اللہ والا بناؤ۔ یہ بتاؤ! عالم ہونا اور حافظ ہونا فرض کفایہ ہے یا نہیں؟ اور اللہ والا ہونا اللہ سے ڈر کر رہنا، تقویٰ سے رہنا، گناہوں سے بچ کر رہنا یہ فرضِ عین ہے۔ لیکن اس زمانہ میں فرضِ عین کی فکر نہیں، آج کل تو مدارس کے طلبہ کا یہ حال ہے کہ پاجامہ ٹخنے سے نیچے لٹک رہا ہے، سر پر انگریزی بال رکھ رہے ہیں، داڑھی کاٹ رہے ہیں۔ یہ مہتمم اور اساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ طلبہ کی نگرانی رکھیں۔ حضرت عمر کے انتقال کا وقت ہے کہ اچانک ایک غلام پر نظر پڑی تو دیکھا کہ اس کا لباس ٹخنوں سے نیچے ہے تو فوراً فرمایا اِرْفَعْ

اِزَارَک۔ اپنا پاجامہ اوپر اٹھاؤ۔ اہلِ مدارس کے ذمہ ہے کہ وہ اپنے طلبہ کو تقویٰ سکھائیں، اللہ والا بنائیں، تقویٰ سیکھنا فرضِ عین ہے، ورنہ پھر یہی ہوگا کہ پیٹو مولوی بنے گا، دل سے مولوی نہیں ہوگا، پیٹ کا مولوی ہوجائے گا، دل میں مولیٰ نہیں ہوگا۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ہر طالبِ علم کو اہل اللہ سے، اپنے مزکی اور مربی اور شیخ سے رابطہ کرانا مہتمم کے ذمہ ہے کہ وہ اپنے طلباء سے کہے کہ کسی اللہ والے سے تعلق قائم کرو۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں صحبت اہل اللہ فرضِ عین ہے، جنہوں نے بزرگوں سے تعلق نہیں رکھا ان میں پورا دین نہیں آیا، ضَرَبَ یَضْرِبُ صرف اوپر سے رہا، دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت وعظمت نہیں آئی، گناہ سے بچنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ مہتمم مدرسہ اور اساتذہ کے ساتھ ساتھ ہر طالبِ علم ساتھی کو بھی اپنے ساتھی کی فکر ہونی چاہیے۔

مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے والد تھے اور قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ مولانا یحییٰ صاحب کے ساتھی مولانا ماجد علی صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ مرید ہونے سے کتراتے تھے۔ میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک دن مولانا یحییٰ صاحب نے ان سے کہا کہ تم حضرت گنگوہی سے بیعت کیوں نہیں ہوجاتے؟ اتنے بڑے قطب العالم حضرت مولانا گنگوہی جیسا شیخ کہاں پاؤ گے؟ تو وہ سن کر خاموش ہوگئے، کوئی التفات نہیں کیا، کبھی انسان پر سستی اور غفلت بھی ہوتی ہے، نفس کا مزاج یہ ہے کہ میں آزاد رہوں حالاں کہ آزاد رہنے والا بیل زیادہ لاٹھی کھاتا ہے، جو سانڈ کسی کسان کی رسی میں نہیں رہتے تو ان کے کئی نقصانات ہیں۔ نمبر ایک: ہر کھیت میں منہ ڈالتا ہے اور کھیت والے سے اتنی لاٹھی کھاتا ہے کہ پوری کھال زخمی ہوجاتی ہے۔ نمبر دو: اسے وقت پر کھانا بھی نہیں ملتا کیوں کہ وہ آزاد ہے، کوئی کھلانے والا نہیں۔ نمبر تین: جب بیمار ہوجاتا ہے تو مویشی خانہ کے ڈاکٹروں کے پاس لے جانے والا کوئی نہیں ہوتا۔ بتایئے! آزاد رہنے میں نقصان ہے یا نہیں؟ اور اگر تم کسی کسان سے تعلق کرلو، گردن میں اس کی رسی ڈال لو تو تمہیں وقت پر کھانا بھی ملے گا

اوراگر بیمار ہوجاؤ گے تو کسان مویشی کے ڈاکٹروں کے پاس بھی لے جائے گا، اس کو ہر کھیت میں جانے نہیں دے گا، رسی کھینچے رکھے گا کیوں کہ جانتا ہے کہ یہ بے چارہ لاٹھی کھائے گا اور میری بھی بدنامی ہوگی کہ فلاں کسان کا جانور میرا کھیت کھا گیا۔ (راہ سلوک میں وفاداری کی اہمیت، ص/15)

علماء کیلئے اپنے نفس کو مٹانا فرض ہے

علماء خوش نہ ہوں کہ بس ہم تو بہت بڑے ہو گئے، علماء کے لیے بھی اپنے نفس کو مٹانا فرض ہے۔ مدارس کے علماء کے لیے بھی ضروری ہے اور تبلیغ والوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ اخلاص حاصل کرنے کے لیے اہل اللہ کی صحبت میں تزکیۂ نفس کرائیں۔ تزکیۂ نفس کا شعبہ مقاصدِ نبوت میں سے ہے۔ تزکیۂ نفس پر اعمال کی قبولیت کا مدار ہے۔

ایک تو ہے تبلیغ اور ایک ہے مدرسہ، تو تبلیغ اور مدرسہ سے اعمال کا وجود ملتا ہے، لیکن اعمال کا قبول ملتا ہے خانقاہوں سے۔ جہاں اخلاص پیدا ہوتا ہے، جہاں کبر اور عُجب کا آپریشن کرتے ہیں۔ آپ کے شہر میں ایک دل کا ہسپتال ہو اور ہارٹ اسپیشلسٹ سب کے سب باہر چلے جائیں، تو دل کے مریض کہاں جائیں گے؟ اور ایک بات اور بھی ہے کہ دل کا آپریشن فٹ پاتھوں پر نہیں ہوتا، میدانوں میں نہیں ہوتا، سر پر بستر لے کر نکلنے سے نہیں ہوتا، جہاں دل کا آپریشن ہوتا ہے وہاں لکھا ہوتا ہے کہ یہاں ہارن نہ بجاؤ، اس لیے دل کا آپریشن تو ہسپتال کے کمروں میں ہوگا۔ اسی طرح دل کی اصلاح کا آپریشن تو خانقاہوں کے حجروں ہی میں ہوگا، یہ مساجد کے منبروں پر بھی نہیں ہوسکتا، کیوں کہ وہاں غیر طالب بھی ہوتے ہیں جن کو مناسبت نہیں ہے، اس لیے ان کے عناد کی نحوست سے تربیت و اصلاح کا مضمون بھی مزکی و مصلح کے دل میں نہیں آتا۔

گر ہزاراں طالب اند و یک ملول

از رسالت باز می ماند رسول

اگر ہزاروں طالب و مخلص بیٹھے ہوں اور ایک آدمی ہو جو بغض و نفرت سے بیٹھا ہوا ہے

مجبوراً کسی وجہ سے، کسی دنیاوی فائدہ سے یا کسی اور مجبوری سے بیٹھا ہوا ہے، تو اگر رسول بھی ہے تو اس کا فیضان رُک جائے گا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ تبلیغ میں اتنا بڑا چلّہ ہوتا ہے اور اتنا مجاہدہ ہوتا ہے اور یہ علماء مدرسوں میں پنکھوں کے نیچے بیٹھے ہوئے بخاری پڑھانے میں لگے ہیں، لیکن عوام کی ساری زندگی کا چلّہ علماء کے دس برس کے چلّے سے کم ہی رہتا ہے۔ دس برس کا مسلسل چلّہ کھینچو، دس سال میں عالم ہوتے ہیں، تب پتا چلے گا کہ یہ چلّہ کتنے مجاہدے کا ہے اور اگر حافظِ قرآن ہے تو تین سال اور لگالیں، اس طرح تیرہ سال تک بے چارے پڑھتے رہتے ہیں، مگر صرف ایک کمی ہے، اب وہ بھی بتائے دیتا ہوں۔ اپنی برادری کی بھی بات بتاؤں گا اگرچہ وہ بھی ہماری برادری ہے یہ بھی ہماری برادری ہے یعنی اہلِ تبلیغ، اہلِ مدارس، اہلِ خانقاہ سب ہماری ہی برادری ہے۔

حق بات پیش کرنے سے شرماؤں گا نہیں اور نہ ڈروں گا، چاہے مولوی بھی ناراض ہو جائیں۔

میں کہتا ہوں کہ عالم کے معنیٰ ہیں جو اللہ کو جانتا ہو اور باعمل ہو، اس کے دل میں اللہ کی خشیت ہو اور اس کے نفس کا تزکیہ ہو چکا ہو یعنی اخلاقِ رذیلہ سے پاک ہو گیا ہو، ورنہ علم کا عطر تو تیرہ سال میں حاصل کیا مگر دل کی شیشی صاف نہیں کی۔ اگر آپ کو دس ہزار روپے تولے والا خالص عود کا عطر لینا ہے، تو آپ کس شیشی میں لیتے ہیں؟ جس شیشی میں کتے بلی کا گُو لگا ہوا ہو اس میں آپ عطر لیں گے؟ اسی طرح تیرہ سال میں جو قرآن و حدیث کا عطر حاصل کرتے ہیں، ان پر اپنے قلب کی شیشی کا تزکیہ بھی فرض ہے، اگر تزکیہ نہیں ہوتا تو پھر یہ علم روپیوں سے، جاہ سے، عزت سے، مال سے، ذرا ذرا سی بات سے بک جاتا ہے۔ جب تزکیہ نہیں ہوتا تو دل میں دردِ محبت بھی نہیں ہوتا، بیان میں مزہ اور تاثیر نہیں ہوتی، لہٰذا علماء کی عظمت کے باوجود بعض میں جو کمی ہے وہ بھی عرض کر دیتا ہوں کہ اگر یہ اپنے قلب کی شیشی کی دھلائی کر لیں، اور تزکیہ کرالیں تو پھر ان کے عطر کی خوشبو

اُڑے گی، کیوں کہ ماشاء اللہ ان کے پاس قرآن وحدیث کا عطر تو ہے ہی، بس قلب کی شیشی صاف کروانے کی ضرورت ہے۔

جب علماء اہل اللہ ومشائخ سے تعلق قائم کرتے ہیں اور اپنا ہاتھ کسی اللہ والے کے ہاتھ میں تزکیہ کے لیے دے دیتے ہیں اور وہ مشائخ دیکھتے ہیں کہ اس عالم کے دل میں کچھ بڑائی آ گئی ہے، تو اس سے مجاہدہ کراتے ہیں تا کہ ان کے نفس سے تکبر نکل جائے، علم کا احساس نکل جائے، علم کا نشہ اُتر جائے اور عوام کو یہ حقیر نہ سمجھیں۔ چناں چہ ہمارے تمام بزرگانِ دین اور بڑے بڑے علماء نے بزرگوں کی جوتیاں اٹھائیں اور نفس کا تزکیہ کرایا، اسی لیے ان کا سارے عالَم میں ڈنکا پٹ گیا، ان کے علم کی خوشبو سارے عالَم میں پھیل گئی۔ (علم اور علماء کرام کی عظمت، ص/ 64)

کچھ دن فتویٰ دینا، وعظ کہنا، اور حدیث پڑھانا موقوف کر کے نفس کو مٹائیے پھر دیکھئے آپ کے کلام و بیان میں کیا اثر ہوتا ہے

نفس وشیطان سے بچنا آسان نہیں ہے۔ شیخِ کامل کے بغیر کسی کی اصلاح نہیں ہوسکتی ورنہ مولانا تھانوی، مولانا گنگوہی اور مولانا قاسم نانوتوی جیسے علماء ایک غیر عالم حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے کیوں اِصلاح لیتے؟ خواہ کتنا ہی قابل ہو، لیکن رَأْیُ الْعَلِیْلِ عَلِیْلٌ بیمار کی رائے بیمار ہوتی ہے۔ حکیم اجمل خاں بھی جب بیمار ہوتے تھے تو دوسرے حکیم سے علاج کرواتے تھے، لہٰذا یہ اکابر علماء علم وفضل کے باوجود اپنے نفس کی اصلاح کے لیے حاجی صاحب کے پاس گئے اور ان کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔

چنانچہ حاجی صاحب نے تھانہ بھون میں ایک بار مولانا گنگوہی کے ہاتھ پر روٹی رکھ دی اور روٹی پر آلو کی بھجیا رکھ دی اور فرمایا: کھائیے! مولانا گنگوہی فرماتے ہیں کہ حاجی صاحب گوشۂ چشم سے مجھے دیکھ بھی رہے تھے کہ کہیں اس کو تغیر تو نہیں ہے کہ شیخ نے میری کیا بے وقعتی کی۔ مولانا

گنگوہی فرماتے ہیں کہ اس وقت میری روح مست ہورہی تھی کہ کہاں یہ میری قسمت کہ شیخ اس طرح میرے نفس کو مٹائے۔

ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ایک عالم مفتی بھی تھے، واعظ بھی تھے اور محدث بھی تھے، اصلاح کے لیے اپنے شیخ کے پاس گئے۔ شیخ نے ان سے کہا کہ آپ کو تین کام چھوڑنے پڑیں گے: آپ نہ فتویٰ دیں گے، نہ حدیث پڑھائیں گے، نہ وعظ کہیں گے۔ سال بھر خانقاہ میں رہیے اور اللہ اللہ کیجیے، اور سال کی بھی قید نہیں ہے، جب تک میں اجازت نہ دوں آپ دین کا، دعوت الی اللہ کا کوئی کام نہیں کریں گے۔ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ کی شرح میں لکھا ہے کہ اُس زمانے کے بعض خشک اہلِ فتاویٰ نے اس شیخ کے کافر ہونے کا فتویٰ دے دیا۔

ملّا علی قاری محدثِ عظیم اور اپنی صدی کے مجدّد تھے، وہ لکھتے ہیں کہ سال بھر کے بعد جب شیخ نے محسوس کیا کہ اِن کا نفس مٹ گیا ہے، اب یہ جو وعظ کہیں گے اللہ کے لیے کہیں گے، جو تصنیف وتالیف کریں گے اللہ کے لیے کریں گے، اب اِن میں اِخلاص پیدا ہوگیا ہے تو اُنہیں حدیث پڑھانے کی بھی اجازت دے دی، فتاویٰ دینے کی بھی اجازت دے دی اور وعظ کہنے کی بھی اجازت دے دی تو وہ جو دس سال سے بیان کررہے تھے اس میں کوئی اثر نہ تھا اور اجازت ملنے کے بعد جب انہوں نے پہلا بیان کیا تو ایسے درد بھرے دل سے کیا کہ جتنے سامعین تھے سب اُسی وقت صاحبِ نسبت ہوگئے، ولی اللہ بن گئے۔ شیخ کی برکت سے ایک سال میں بالکل کایا پلٹ ہوگئی۔

علماء اور عوام کے مابین بڑھتی دوریاں

اس حقیقت کا انکار ناممکن ہے کہ اس امت میں علمائے کرام کی وہی حیثیت ہے جو کسی ذی روح جسم میں دھڑکتے ہوئے دل کی۔ انہی کی جدوجہد ہے کہ آج مسلمان اسلامی شناخت کے

ساتھ باقی ہیں اور ان میں دینی شعور وآگہی پائی جاتی ہے۔ان کی تمام دینی ضرورتیں علمائے کرام کے ذریعے ہی پوری ہوتی ہیں ۔وہ شب و روز محنت کر کے اور کم تنخواہوں میں گزر بسر کر کے ہر اعتبار سے امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں ۔اگر وہ اپنے جذبات وخواہشات کو قربان کر کے دین کی خدمت میں مصروف نہ ہوتے تو آج مسلمانوں کا دین کے ساتھ باقی رہنا مشکل ہو جاتا لیکن اس تلخ حقیقت کا بھی ہمیں اعتراف کرنا چاہئے کہ جس تیزی اور فکر مندی کے ساتھ اصلاح کا کام ہونا چاہئے اور جس طرح معاشرہ سے منکرات کو دور کرنا چاہئے ،وہ نہیں ہو رہا۔اسکے نتیجے میں آج مسلم سماج برائیوں سے لت پت ہے۔کوئی علاقہ اور کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں برائیوں کا سیلاب امنڈتا ہوا نظر نہ آتا ہو۔کیا نوجوان اور کیا بچے، کیا مرد اور کیا عورت ہر ایک اس میں ملوث ہے۔اس کے باوجود کہ ہر معاشرے میں اہل علم کی بڑی تعداد پائی جاتی ہے اور ہر جگہ دینی اداروں کی کثرت ہے، بے دینی اور بے راہ روی بڑھتی ہی جا رہی ہے۔علماء کے تناسب سے عوام میں خیر و صلاح کا رجحان پیدا نہیں ہو رہا۔اس کی اہم وجہ علماء اور عوام کے درمیان بڑھتا ہوا فاصلہ ہے۔

اہل علم اور مذہبی قائدین کے مختلف طبقات نے اپنا اپنا دائرۂ کار متعین کر لیا ہے جس سے باہر ان کی کوئی سرگرمی نہیں پائی جاتی۔ذہنی طور پر کھینچے ہوئے حدود میں ہی انکی زندگی گزرتی ہے اور اسی کو کمال سمجھا جاتا ہے حالانکہ اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ حدود وقیود کی پابندی کے بغیر جہاں تک زبان وقلم میں طاقت ہے اس کو پوری امت کی اصلاح کیلئے استعمال کیا جائے اور اپنی قوت وصلاحیت کو مدارس ومساجد اور خانقاہوں تک محدود رکھنے کے بجائے سارے مسلمانوں تک اس کا فیض عام کرنے کی کوشش کی جائے۔

اہل علم کی زندگی کا بڑا مقصد مسلمانوں کی رہنمائی اور ان کی اصلاح وتزکیہ ہے اور اس کیلئے ان سے رابطہ ضروری ہے۔رابطہ جتنا مضبوط ہوگا اتنا ہی ان کو نفع حاصل ہوگا اور اسی قدر عوام ان

سے فیضیاب ہوں گے۔ تعلق کے بغیر علم کا نفع عوام کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ ان کی اصلاح کی امید رکھی جا سکتی ہے۔ یہی وہ بنیادی وجہ ہے کہ رسول اکرم نے کبھی اپنے لئے خطِ امتیاز قائم نہیں کیا۔ آپ صحابۂ کرام سے اس طرح گھلے ملے رہتے تھے کہ نئے آنے والوں کو پہچاننا مشکل ہو جاتا کہ ان میں کون امام اور کون مقتدی ہیں، کون تابع اور کون متبوع ہیں۔ آپ جب لوگوں کے ساتھ بیٹھتے تو بالکل تمام کے برابر، زانوئے مبارک کبھی ہم نشینوں سے نکلے ہوئے نہ ہوتے، مہمانوں کی خاطر تواضع خود آپ کرتے اور ان کی تمام ضروریات کی تکمیل کیا کرتے تھے۔ صحابۂ کرام دل وجان سے آپ پر قربان تھے، آپ کے ایک اشارے پر سیکڑوں افراد تعاون کے لئے کھڑے ہو جاتے مگر آپ نے انہیں سونپ کر کبھی یکسوئی اختیار نہیں کی۔

ایک مرتبہ نجاشی کے دربار سے چند سفراء آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سب کو اپنے ہاں مہمان رکھا اور بہ نفس نفیس مہمان داری کے تمام امور انجام دیئے۔ صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا کہ یہ خدمت ہم لوگ انجام دیں گے، آپ یہ خدمت ہمارے حوالے کر دیجئے۔ آپ نے یہ کہتے ہوئے اس سے انکار کر دیا کہ ان لوگوں نے میرے دوستوں کی خدمت گزاری کی ہے لہذا میں خود ان کی خدمت کرنا چاہتا ہوں (بیہقی)۔

ایک مرتبہ حضرت خباب بن ارتؓ کو آپ نے کسی غزوہ میں بھیجا۔ سیدنا خباب کے گھر میں دودھ دوہنے کی ضرورت پیش آئی۔ ان کے یہاں کوئی مرد نہیں تھا اور نہ کسی عورت کو دودھ دوہنا آتا تھا اس لئے آپ خود تشریف لے جاتے اور دودھ دوہ دیتے۔ مدینہ کی کوئی باندی اور بے حیثیت افراد بھی جب کسی کام کے لئے فریاد کرتے تو آپ انکار نہیں فرماتے تھے چنانچہ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک پاگل عورت تھی۔ اس نے ایک مرتبہ خدمت اقدس میں آ کر عرض کیا کہ مجھے آپ سے کچھ کام ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے عورت! مدینہ کی جس گلی میں بھی تو چاہے میں تیری

ضرورت کی تکمیل کیلئے حاضر ہوں چنانچہ اس کے ساتھ ایک گلی میں گئے اور آپ نے اس کی ضرورت پوری کی۔مسلمان غزوۂ احزاب کے موقع پر جبکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم خندق کھودنے میں مصروف تھے،رسول اکرم بھی برابر کے شریک تھے۔آپ مٹی اٹھاتے جاتے تھے جس سے مبارک شکم غبار آلود ہو گیا تھا۔آپ چاہتے تو ایک جگہ بیٹھ کر صرف کام کی نگرانی فرماتے یا کبھی کبھی کام کا جائزہ لے لیتے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ عوام کے ساتھ مصروف عمل رہے۔اس سے جہاں مسلمانوں کو حوصلہ ملا اوران کے کام کرنے میں جوش وخروش پیدا ہوا وہیں امت کے قائدین اور دینی رہنماؤں کو سبق ملا کہ کسی کام کے وقت اپنے ماتحتوں کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے۔گوشہ نشینی افضل ہے یا لوگوں کے ساتھ مل جل کر کسی معاملہ کو حل کیا جانا چاہئے۔رسول اکرم سے بڑھ کر دنیا میں کوئی بزرگ پیدا نہیں ہوا اور نہ ہوسکتا ہے،اس کے باوجود آپ اس طرح لوگوں سے گھلے ملے رہتے کہ کسی کو رسائی میں کوئی تکلف محسوس نہیں ہوتا،ہٹو بچو کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔

حضرت جابر بن سمرۃؓ بیان فرماتے ہیں کہ نماز فجر کے بعد سورج طلوع ہونے تک آپ اپنی جگہ ذکر میں مشغول رہتے تھے۔سورج نکلنے کے بعد آپ اپنی جگہ سے اٹھتے پھر صحابۂ کرام کے ساتھ بیٹھ جاتے۔وہ لوگ زمانۂ جاہلیت کی باتیں کرتے اور اپنی مشرکانہ حرکتوں کو یاد کرکے آپس میں ہنسا کرتے تو آپ بھی ان کے تذکروں میں شامل رہتے،لطف اندوز ہوتے اور بعض باتوں پر مسکرایا کرتے تھے۔

دینی مدارس سے وابستہ اکثر افراد بھی محض اپنے متعین نصاب کے پڑھانے تک محدود رہتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنا فریضہ انجام دے دیا ہے حالانکہ انہی کا معاشرہ نت نئی برائیوں میں ڈوبا ہوا ہے۔بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہوں نے کبھی مسجد کی راہ نہیں دیکھی۔جھوٹ،غیبت،قمار بازی،سودخوری،بدکاری اور شراب نوشی جیسے گناہوں میں مبتلا ہیں،ان تک اللہ کا پیغام پہنچانا بسااوقات درس وتدریس سے بھی افضل ہوگا،پھر اپنی صلاحیتوں کو مدارس کی چہار

دیواری تک محدود رکھنا کیا امت کی حق تلفی نہیں اور کیا قیامت کے دن ہم سے مؤاخذہ نہیں ہوگا؟ جو لوگ مساجد میں امامت کے فرائض انجام دیتے ہیں ان سے پوری قوم وابستہ ہوتی ہے۔

منبر و محراب کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی قوت دی ہے جو چاہنے کے باوجود بھی اچھے اچھوں کو حاصل نہیں، سارے مقتدی ان کی ایک آواز پر لبیک کہتے ہیں لیکن عام طور پر اس اہم منصب کے ذمہ داران بھی لوگوں سے کٹے کٹے رہتے ہیں۔ امام اور مقتدیوں میں مستحکم رابطہ نہیں ہو پاتا۔ ان کی ساری سرگرمیاں امامت کی حد تک محدود ہوتی ہیں۔ نماز سے کچھ پہلے مسجد میں حاضر ہوتے ہیں اور پھر نماز کے فوری بعد اپنے دیگر مقاصد میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی دی ہوی اتنی بڑی قوت یونہی ضائع ہو جاتی ہے اور پھر وہ کوئی انقلابی کام نہیں کر سکتے۔ رسول اکرم امام بھی تھے اور مبلغ اور قائد بھی۔ معلم اور مدرس تھے اور مصلح اور مجاہد بھی۔ قرآن کی تلاوت بھی کر کے سناتے اور تزکیۂ نفس کا بھی کام کرتے تھے۔ بشری تمام ضرورتیں آپ سے وابستہ تھیں لیکن بیک وقت سارا کام آپ انجام دیتے تھے۔ اس میں ہمارے لئے بڑا پیغام ہے۔ ان حالات میں مذہبی قائدین کو چاہئے کہ حکمت اور بہتر تدابیر کے ذریعے عوام کو قریب کریں اور ان میں دین سیکھنے کی تڑپ پیدا کریں۔ انہیں اتباعِ شریعت کا احساس دلائیں، مسلسل اس طرح کی محنت سے ان کی زندگی میں ان شاء اللہ صالحیت پیدا ہوگی اور علماء کی طلب میں بھی اضافہ ہوگا۔

عالم کسے کہتے ہیں؟

لغوی معنی کے اعتبار سے ہر چیز کی معرفت کا نام علم ہے اور اس کو جاننے والا عالم کہلاتا ہے۔ اور اصطلاحی تعریف میں دینی امور کے جاننے والے کو عالم کہتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ضروری ہے کہ عالم کے اندر خشیت الٰہی کی صفت بھی موجود ہو۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے:

وَقَالَ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ: الْعَالِمُ مَن خَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ، وَرَغِبَ فِيمَا رَغِبَ اللَّهُ فِيهِ، وَزَهِدَ فِيمَا سَخط اللَّهُ فِيهِ، ثُمَّ تَلَا الْحَسَنُ: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ﴾۔ (تفسیر ابن کثیر، سورۃ فاطر، آیت:۲۸)

ترجمہ: حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: عالم کہتے ہی اسے ہیں جو در پردہ بھی اللہ سے ڈرتا رہے اور اللہ کی رضا اور پسند کو چاہے رغبت کرے اور اس کی ناراضگی کے کاموں سے نفرت رکھے، پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: بے شک اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں، بے شک اللہ بخشنے والا عزت والا ہے۔

شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عالم دین وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم ہو۔ اور اس کو علم ہو کہ کن چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ واجب ہے۔ اسی طرح اس کو انبیاء علیہم السلام اور ان کے مراتب اور ان کی صفات کا علم ہو۔ اور اس کو علم ہو کہ مکلف پر کیا چیزیں فرض ہیں اور کیا چیزیں واجب ہیں۔ اور اس کو سنن و مستحبات اور مباحات کا علم ہو۔ اس کو معلوم ہو کیا چیزیں حرام ہیں اور کیا مکروہ تحریمی اور کیا مکروہ تنزیہی ہیں اور کیا خلاف اولیٰ ہیں۔ اور وہ علم کلام اور عقائد، علم تفسیر، علم حدیث اور علم فقہ واصول فقہ پر عبور رکھتا ہو۔ علم صرف، علم نحو، علم معانی اور علم بیان کا ماہر ہو اور وہ بقدر ضرورت مفردات لغت کا حافظ ہو اور اس میں اتنی صلاحیت ہو کہ اس سے دین کے جس مسئلہ کا بھی سوال کیا جائے وہ اس کا جواب دے سکے، خواہ وہ جواب اس کو مستحضر ہو یا وہ کتب متعلقہ سے ازخود تلاش کر سکے۔ اور جو شخص ان صفات کا حامل نہیں ہے، وہ عالم دین کہلانے کا مستحق نہیں ہے کیونکہ اگر اس کو صرف اور نحو پر عبور نہیں ہے تو وہ احادیث کی عربی عبارت صحیح نہیں پڑھ سکتا اور اگر عبارت غلط پڑھے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس قول کو منسوب کرے گا جو آپ نے نہیں فرمایا۔ اور اگر وہ بہ قدرِ ضرورت مفردات لغت کا حافظ نہیں ہے اور علم معانی اور بیان پر دسترس

نہیں رکھتا تو وہ قرآن مجید کی آیات اور احادیث کا صحیح ترجمہ نہیں کرسکتا۔ اور اگر اس کو علم کلام اور علم تفسیر اور حدیث پر عبور نہیں ہے تو وہ عقائد کو صحیح بیان نہیں کرسکتا اور نہ صحیح عقائد پر دلائل قائم کرسکتا ہے اور نہ باطل فرقوں کا رد کرسکتا ہے۔ اور اگر فقہ پر عبور نہیں ہے تو وہ حلال اور حرام کے احکام کو جان سکتا ہے نہ بیان کرسکتا ہے۔ سو ایسا شخص عالم دین کس طرح ہوگا، اور اس پر عالم دین کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے۔ (تفسیر بیان القرآن، ج:۹،ص:٤٨٤)

ریاء کار عالم وقاری جہنم میں جائیں گے

علم دین حاصل کرنے میں، لوگوں کو اس کے سکھانے میں، اس کے مطابق فیصلہ کرنے میں، غرضیکہ ہر وقت اور ہر قدم پر اخلاص لازمی شی ہے، علم دین اخلاص کے بغیر بجائے نفع کے نقصان کا سبب ہے، اگر کوئی طالب علم دکھاوے کیلئے علم کا جوئندہ بنتا ہے، یا کسی عالم نے دنیاداری کے لئے تعلیم وتعلّم کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے تو ایسے ریا کار لوگوں کے انجام کے بارے میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پہلے فرمایا ہے

”رجُلٌ تعلَّمَ القرآن وعلَّمَهُ و قرالقُرآنَ فاُتِیَ به فعرّفَهُ نِعَمَهُ، فعرفَہَا، قَالَ فَمَا عَلِمْتَ فِیْہَا؟ قَالَ تعلَّمتُ العِلْمَ، وعَلَّمْتُهُ وقراتُ القرآن فیک قَالَ کذبْتَ ولٰکِنَّکَ تعلّمتَ العلْمَ لیُقَالَ اِنَّکَ عَالِمٌ وقراتَ القرآنَ لِیُقَالَ اِنک قَارِیٌ، فَقَدْ قِیلَ ثُمَّ اُمِرَ بِه فسُحّبَ عَلیٰ وَجْہِه حَتّٰی اُلْقِیَ فِی النَّارِ۔

اللہ تعالیٰ کے دربار میں ایک ایسا شخص لایا جائے گا جس نے دین کا علم حاصل کیا تھا، دوسروں کو اس کی تعلیم بھی دی تھی، قرآن پاک بھی پڑھا تھا، پہلے اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں اپنی عطا کردہ نعمتوں کو یاد دلائے گا، وہ شخص ان نعمتوں کا اعتراف بھی کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے دریافت فرمائیں گے تم نے ان نعمتوں کے شکرانہ میں میری رضا کے خاطر کون سے کام انجام

دیئے، وہ شخص کہے گا میں نے دین کا علم حاصل کیا، دوسروں کو اس کی تعلیم دی اور تیری خوشنودگی کے لئے قرآن پاک پڑھا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو نے جھوٹ کہا، دراصل علم تو نے اس غرض سے حاصل کیا تھا، کہ مخلوق کے درمیان تو عالم مشہور ہو جائے اور قرآن پڑھنے کی غرض یہ تھی، کہ لوگ تیرے بارے میں کہیں کہ قاری تو فلاں شخص ہی ہے، تو جو تو نے چاہا وہ تجھ کو دنیا میں مل گیا، چہار دانگ عالم میں تمہاری شہرت کے خوب ڈنکے بجے، اب یہاں تم کو کچھ بھی نہیں ملے گا پھر اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں حکم دیں گے، کہ اس کو منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں لیجاؤ اور اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈال دو، یاد رکھنا چاہیئے کہ اخلاص سے عاری، ریاکار عالم، قاری، اور عابد وغیرہ کے لئے ایسی ہولناک سزائیں ہیں جن کا اگر دل میں یقین جاگزیں ہو جائے، تو اِن میں سے کوئی ریا کے قریب سے بھی نہ گزرے، ایک موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جبُّ الحزن" سے یعنی رنج وغم کے کنویں سے اللہ کی پناہ مانگو، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "جب الحزن" کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم میں ایک کھائی ہے جس سے خود دوزخ ہر روز چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ صحابہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں کون ڈالا جائے گا، آپ نے فرمایا: "القرّاءُ المرأونَ باَعْمَالِہِم۔

وہ قرآن پڑھنے والے جو اپنے عمل میں ریاکاری کرتے ہیں، شراح حدیث نے ذکر کیا ہے، اس حکم میں ریاکار عابد، عالم، قاری، سب داخل ہیں۔ یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اخلاص کے فقدان کی وجہ سے قیامت کے دن نیک اعمال بھی وبال بن جائیں گے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں عظیم سے عظیم ترین کام اور بڑی سے بڑی قربانی بغیر اخلاص کے ایسی ہی ہے جیسے روح کے بغیر جسم اور خوشبو کے بغیر پھول۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں مجاہدین، علماء اور راہ خدا میں خرچ کرنے والوں کی جو تعریف وارد ہوئی ہے اور ان کے لئے

جن بلند درجات کا وعدہ فرمایا گیا ہے، وہ سب اس وقت ہیں جب یہ لوگ اپنی ذمہ داریاں انتہائی اخلاص کے ساتھ انجام دیتے ہوں۔

اخلاص کا حاصل رضائے الٰہی

علماء اور طلباء کے لئے علم کی راہ میں اخلاص کو ضروری قرار دیا گیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ علم کی راہ میں جو بھی کوشش اور محنت کریں وہ صرف اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کریں، حصول علم اور اشاعت علم کا مقصد حصولِ دنیا نہ ہو۔ اگر کوئی حصول دنیا کی غرض سے علم کی راہ میں لگا ہوا ہے، تو اس کے لئے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت وعیدیں ہیں۔ ایک موقعہ پر آپ نے فرمایا:

مَنْ تعلَّمَ عِلْمًا مِمَّا یُبْتغیٰ بِہٖ وَجہُ اللّٰہِ لا یتعلّمہُ اِلاّ لِیُصِیبَ بِہٖ عرضًا مِنَ الدُّنیَا لَمْ یجِدْ عَرَفَ الجنّۃِ یَوْمَ القِیامَۃِ یعْنِی رِیحَھَا۔

جس شخص نے اللہ کی رضا حاصل کرنے والا علم دنیاوی ساز وسامان حاصل کرنے کی غرض سے سیکھا اس کو قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی، علم کی غرض کسب دنیا نہ ہونا چاہئے، البتہ اگر اس کے ذریعہ سے بلا طلب دنیا مل رہی ہے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اسی طرح کسب معاش کیلئے دنیوی علوم سیکھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے؛ لیکن جن علوم کے سیکھنے کی شریعت نے اجازت نہیں دی ہے مثلاً کہانت وغیرہ، ان کو کسب معاش کیلئے بھی سیکھنا درست نہیں ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ علم دین محض اللہ کی رضا کیلئے سیکھنا چاہئے اس میں کسی طرح کی ریاکاری، کوئی دنیوی غرض، اور کسی بھی طرح کا فخر وغرور شامل نہ ہونے دینا چاہئے۔ اور اگر کوئی علم کو اپنی بڑائی اور فوقیت قائم کرنے کیلئے سیکھتا ہے تو یہ بھی سخت جرم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **”مَنْ طَلَبَ العلْمَ لِیُجاریَ بِہٖ العُلَمَاءَ اَوْ لیُمَارِیَ بِہٖ السُّفَھَاءَ اَوْ یَصْرِفَ بہٖ وجُوہَ النَّاسِ اِلَیْہِ ادخَلَہُ اللّٰہُ النّارَ۔**

جس شخص نے علم اس وجہ سے حاصل کیا کہ اس کے ذریعہ سے علماء دین کا مقابلہ کرے یا بے

وقوفوں سے بحث ومباحثہ کرے یا لوگوں کو اپنی شخصیت کی طرف متوجہ کرے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جہنم میں ڈال دیں گے۔

عالم دین کے فرائض سے غفلت دوسروں کیلئے بھی گمراہی وغفلت کا سبب بن جاتی ہے

عالم دین کا فرض منصبی ہے کہ وہ لوگوں کو دین کی دعوت دے، کیونکہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کرام کا اصل مشن بھٹکے ہوئے لوگوں کو سیدھی راہ دکھانا تھا۔ لہٰذا علماء کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے غافل لوگوں کے دلوں میں اس کی یاد پیدا کرنے کی کوشش کریں، اسلام کی اشاعت اور دین کی تبلیغ کیلئے بھرپور جدوجہد کریں، اگر کوئی عالم اپنے اس فریضہ کو فراموش کر بیٹھا ہے، یا اس سے غفلت برت رہا ہے تو اس کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اپنے حساب سے دین کو ڈھا رہا ہے۔ حضرت زیاد ابن جدیر کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ اسلام کو ڈھانے والی کیا چیز ہے؟ میں نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا: یَہْدِمُہٗ زلۃ العَالِم۔

عالم کا پھسلنا اسلام کو ڈھا دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عالم اگر اپنے فرائض سے غافل ہو کر، خواہش نفس پر عمل کرنے لگے تو اس کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی احکامِ اسلام پر عمل ترک کر دیں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام کی بنیادیں ہل جائیں گی اور اسلام منہدم ہو جائے گا۔

علم چھپانا سخت گناہ ہے

جو شخص دین کا عالم ہے اس کو چاہئے کہ وہ دوسروں کو سکھائے، اگر لوگ اس سے فیض نہیں حاصل کر پا رہے ہیں، تو صاحب علم کو سمجھنا چاہئے کہ اس کا علم نفع بخش نہیں ہے، اگر کسی عالم سے کوئی دینی بات پوچھی گئی اور اس نے جاننے کے باوجود لوگوں کو مطلع نہیں کیا تو ایسے شخص کے

بارے میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهُ، ثُمَّ كَتَمَهُ أُلْجِمَ يَوْمَ القِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِن النَّارِ۔

جس شخص سے علم دین کی کوئی بات پوچھی گئی اور اس نے جاننے کے باوجود چھپایا تو ایسے شخص کو قیامت کے دن آگ کی لگام ڈالی جائے گی، قیامت کے دن اس کو اتنی سخت سزا اس وجہ سے دی جائے گی کہ اس نے علم کے مقصد نشر و اشاعت کو زائل کر دیا، اس نے معلوم شدہ بات میں سکوت اختیار کر کے دنیا میں اپنے منہ میں لگام ڈالی لہٰذا آخرت میں آگ کی لگام اس کے منہ میں ڈالی جائے گی، اسی وجہ سے ہر عالم کو خوب متنبہ رہنا چاہیے، جو شخص بھی اس سے دین کی کوئی ضروری بات پوچھے تو اگر صحیح طور پر جانتا ہے تو اس کو بتانے سے ہرگز ہرگز دریغ نہ کرے؛ تا کہ اس وعید کا مستحق نہ بنے۔

علم کو صلاحیت کے مطابق سکھانا چاہیے

عالم دین کو خود علم کی وقعت اور عزت کرنا چاہیے علم کو سونے، چاندی اور ہیرے جواہرات سے بھی بہتر سمجھنا چاہیے جس طرح ایک دنیا دار آدمی کبھی کتے اور خنزیر کی گردن میں ہیرے جواہرات کے زیور نہیں ڈالتا ہے؛ اسی طرح علماء دین کو بھی چاہیے کہ نا قدروں کو علم نہ سکھائیں، مسئلہ بتا دینا یہ دوسری بات ہے؛ لیکن علم سکھانا اور علمی نکات بتانا یہ دوسری چیز ہے، مسئلہ تو جو بھی دریافت کرنے آئے اس کو اس کے فہم کے اعتبار سے بتا دینا بہتر ہے؛ لیکن جہاں تک علم دین سکھانے کا تعلق ہے؛ تو وہ صرف قدردانوں تک ہی محدود رکھنا چاہیے۔ اسی طرح کسی شخص کی صلاحیت سے بڑھ کر، اس کو علم سکھانا بھی علم پر ظلم کرنا ہے؛ جو شخص معمولی باتیں نہ سمجھتا ہو اس کے سامنے تصوف کی باریکیاں بیان کرنا؛ یہ علم کے ساتھ مذاق کرنا ہے۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”واضِعُ الْعِلْمِ عِنْدَ غير اَہْلِه كمُقَلِّدِ الخَنَازِيْرِ الجوہَر واللّؤلُو والذہَب۔

نااہلوں کو علم سکھانے سے اس لئے منع فرمایا کہ وہ علمی باریکیوں کو سمجھ نہیں سکیں گے، اور بغیر سمجھے عمل شروع کرنے کے نتیجے میں شیطان کے دام میں پھنس کر گمراہ ہو جائیں گے۔ لہٰذا علماء دین کی یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ علم دین سکھاتے وقت طلباء وعوام کی صلاحیتوں کا خاص خیال رکھ کر ان کو مستفید کریں۔

دنیا کا ہر وہ علم جو دین کیلئے معاون ہو دین ہی ہے

دین اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے اس نے اپنے متبعین کی زندگیوں کو خوش گوار بنانے کے لیے بہت سارے اصول اور ضابطے دیے ہیں، دین اسلام کا ایک بنیادی حکم حصول تعلیم ہے، اسلام میں اس کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ علم زندگی ہے اور جہالت موت کے مترادف ہے، انسانیت نے اپنی تاریخ میں کسی مذہب کو بھی اسلام کی طرح تعلیم کو اہمیت دیتے ہوئے نہیں دیکھا، علم انسان کو حق و باطل کی تمیز سیکھاتا ہے، علم کی وجہ سے انسان کو سماج میں اعلیٰ مقام ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام نے علم کی اہمیت پر بہت زور دیا اور مسلمانوں کو حصول علم پر ابھارا، قرآن مجید میں علم اور اس کے متعلقات کا ذکر سیکڑوں بار آیا ہے

موجودہ دور میں بہت سارے علوم وفنون پائے جاتے ہیں سوال یہ ہے کہ کون سا علم عنداللہ محبوب و پسندیدہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو علم انسان کے لیے نفع بخش ہو، اللہ کی معرفت کا ذریعہ بنے، آخرت کی جواب دہی کا احساس پیدا ہو اور یہ سب کچھ علم دین ہی سے ممکن ہوسکتا ہے۔

آج علمی اعتبار سے انسان بڑی تیزی سے ترقی کر رہا ہے نئی نئی تحقیقات پیش کر رہا ہے وہیں انسان اخلاق سے گری ہوئی حرکات کا مرتکب بھی ہو رہا ہے بڑے بڑے جرائم انجام دے رہا ہے بلاشبہ انسان کو علم دین سے آشنائی نہیں تو تمام علوم کے حصول کے بعد بھی وہ ناکارہ ہے اسی

لیے شریعت اسلامیہ نے علم دین کے حصول کو واجب قرار دیا تا کہ وہ نیک اور مہذب انسان بن کر خوشگوار زندگی بسر کر سکے۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو علم دین حاصل کرنے کے بعد عمل سے دور ہو جاتے ہیں، اس کے تقاضوں پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔

عالم تو وہی ہے جو تربیت یافتہ بھی ہو

حضرت موانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ولکن کونوا ربانیّین بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم تدرسون۔

(آل عمران:۷۹)

لیکن تم لوگ اللہ والے بن جاؤ بوجہ اس کے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور بوجہ اس کے کہ پڑھتے ہو۔

قرآن مجید کی یہ آیت بھی ایک مستقل معجزہ ہے بلکہ معجزات کا مجموعہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "ولکن کونوا ربانیّین لیکن تم اللہ والے بنو، پھر اس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے ربانیین کا لفظ استعمال کیا ہے اس میں تربیت بھی داخل ہے، یعنی وہ عالم جو ایک طرف رب سے تعلق رکھتا ہو، رب سے اس کا تعلق صحیح ہو، اخلاص اس کو حاصل ہو اور دوسری طرف اس کو ایمان واحتساب کا درجہ حاصل ہو، یعنی وہ دعوت وتربیت اور اصلاح کی طرف بھی متوجہ ہو۔

میں عربی زبان کے ایک طالب علم کی حیثیت سے نہیں جانتا کہ کوئی لفظ اتنا جامع ومعنی خیز اور ایسا توجہ طلب اور نظر افروز ہوسکتا ہے، علمائے امت اور علمائے اسلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ ربانیین کے لفظ سے یاد کرتا ہے، اللہ والے بنو لیکن اللہ تعالیٰ کی صفت میں رب کا لفظ انتخاب فرمایا گیا کہ ایسے علماء بنو جن کے اندر تربیت کا مادہ ہو، تربیت کی صلاحیت بھی ہو، انہیں کو علمائے ربانیین کہتے ہیں۔

حقیقت میں علمائے ربانیین وہ ہیں "ولکن کونوا ربانیین" کہ اللہ تعالیٰ ان سے دین کی تعلیم کا بھی کام لے اور دین کی اشاعت کا بھی اور اصلاح کا بھی اور شریعت پر اور سنت پر عمل کرنے کا بھی اور جو چیز ان کی امتیازی ہے وہ ایمان اور احتساب ہے اور یہی ربانیین کے لئے ضروری ہے کہ جو کام بھی کیا جائے اللہ کی رضا کے لئے کیا جائے، اللہ کی قدرت اور استعانت پر یقین کرتے ہوئے بھی اور پھر اجر وثواب کے لالچ سے کیا جائے۔

پھر اس کے بعد فرمایا کہ "بما کنتم تُعَلِّمُوْنَ الکتاب وبما کنتم تدرسون" کہ تم دوسروں کو کتاب کی تعلیم دو، اس کے ساتھ "تدرسون" کا لفظ بھی لگایا گیا جو ہمارے اور آپ سب کے لئے قابل غور ہے کہ عالم ربانی، عالم کامل اور باکمال بن جانے کے بعد بھی ضرورت ہے کہ مطالعہ جاری رہے، استفادہ اور علمی سفر جاری رہے، علمی ترقی جاری رہے تحقیق وتدوین جاری رہے جب تک آپ علمی سفر میں تھکاوٹ محسوس نہیں کریں گئے تب تک آپ کے علم وفضل میں برکت ہوتی رہے گئی پر جوں ہی آپ کے ساتھ یہ بات چپک جائے کہ آپ صاحب فضل وکمال ہیں تو اسی لمحے سے زوال علم وفضل کی شروعات ہوجائے گئی۔

عالم کے اندر اگر اخلاص نہیں ہے تو بجائے نفع کے مضر ہے

سب سے پہلے اپنی جانب توجہ دیں شرح صدر کے ساتھ یہ سوچیں کہ جس بات کی آپ دعوت دے رہے ہیں اس پر آپ کا کس قدر ایمان وعمل مضبوط ہے یہ بات دل میں پکی کرلیں کہ آپ سے سخت باز پرس ہوگئی جہاں علماء حق کے فضائل بیان ہوئے ہیں وہیں علماء سو کے لئے وعید بھی احادیث میں پائی جاتی ہیں اخلاص۔

اخلاص دین اسلام کی اساس وبنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اخلاص کا پابند بنایا ہے کوئی عمل

خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اس کو ادا کرنے والا کس قدر قربانی کیوں نہ پیش کرے اگر اس میں اخلاص نہ ہو تو وہ مردود ہوتا ہے۔ اس حدیث نبوی کا مطالعہ فرمائیں جس میں ان تین بدنصیب اشخاص کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کے ساتھ آتش جہنم کو بھڑکا یا جائے گا (العیاذ باللہ) وہ قاری قرآن، سخی اور مجاہد ہوں گے جنہوں نے اپنی جان و مال اور وقت کی قربانی پیش کی ہوگی جو انسان کا سب سے قیمتی سرمایہ ہوتا ہے لیکن ان تینوں کی نیکیاں عدم اخلاص کی وجہ سے قبول نہ ہوں گی

کامیاب علماء خود کو ہمیشہ نا کارہ اسلئے سمجھتے ہیں کہ کل بروز قیامت انہیں خدا کے سامنے باز پرسی کا مسلسل احساس رہتا ہے

علماء کا مسلسل محاسبہ نفس کرنا اور میدان دعوت میں اپنے وسائل و ذرائع اور نتائج و ثمرات پر بار بار نظر ثانی کامیابی کی ضمانت ہے۔ علماء کو اپنے نقائص و عیوب پر نظر رکھنی چاہیے اور ان کو دور کرنے کے لیے جستجو کرتے رہنا چاہیے۔

علماء پاکیزہ اعمال کے سہارے رب کی جانب دوڑ پڑتے ہیں، زیادہ عمل کر کے بھی زیادہ نہیں سمجھتے، اور کم پر راضی نہیں ہوتے، اپنے آپ کو خطا کار و گنہگار سمجھتے ہیں گر چہ وہ اعلیٰ درجہ کے پاکدامن اور نیک ہوتے ہیں، نیز خود کو نا کارہ اور حد سے تجاوز کرنے والا خیال کرتے ہیں، حالانکہ وہ دانا، قوی، نیکوکار اور مستقیم الاحوال ہوتے ہیں، ناواقف انھیں دیکھ کر بیمار سمجھتا ہے، حالانکہ وہ مریض نہیں ہوتے، انھیں کوئی مرض لاحق نہیں ہوتا، البتہ خود ان کے بیمار سمجھنے والوں کو بڑی بڑی بیماریاں گرفتار کئے ہوئے ہیں۔

علماء وفقہاء کے جن اوصاف و اخلاق کا ہم نے جو ان سطورِ میں تذکرہ کیا ہے ڈھونڈ ھنے والوں کو ان سب کی دلیلیں ان احادیث و آثار میں مل جائیں گی۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ خوف

وخشیت اور حیرانی و پریشانی اہل علم کو کیوں لاحق ہوتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ انھیں یہ یقین واذعان خوفزدہ کئے رہتا ہے کہ حق تعالیٰ ان سے اس علم کے متعلق عمل کے باب میں سوال کریں گے، اسی باز پُرس کا استحضار انھیں بے چین کئے رہتا ہے، اور اسی وجہ سے ہر معاملہ میں احتیاط برتتے ہیں۔

علماء حق کی صفات وعلامات

علماء حق کی درج ذیل خصوصیات ہیں۔

(۱) امن اور خوف کی حالت میں امت کے لئے فکر مند رہتے ہیں: ایسا نہیں ہے کہ امن کی حالت میں اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں اور خوف کی حالت میں ڈر جاتے ہیں، اسی بات کو قرآن پاک کی سورہ ءنساء آیت نمبر ۸۳ میں ذکر کیا گیا ہے کہ انھیں امن یا خوف کی کوئی خبر ملی تو انھوں نے مشہور کرنا شروع کر دیا حالاں کہ اگر یہ رسول یا عالم سے اس بات کی حقیقت معلوم کر لیتے تو اس کی حقیقت جان لیتے، اگر تم پر اللہ کی رحمت نہ ہوتی تو چند کے علاوہ تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے۔

(۲) نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں: قرآن پاک کی سورہ ء بقرہ آیت نمبر ۴۴ میں ہے کہ تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو جب کہ تم کتاب پڑھتے ہو، کیا اتنی بھی تم میں سمجھ نہیں۔

(۳) امتِ اسلامیہ کے لئے رحیم وشفیق ہوتے ہیں: قرآن پاک کی سورہ ءانبیاء آیت نمبر ۱۰۷ میں ہے کہ ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خوشخبری سنانے والے بنو، نفرت نہ پھیلاؤ، آسانیاں پیدا کرنے والے بنو، مشکلیں پیدا کرنے والے مت پیدا۔

(۴) اللہ سے ڈرتے ہیں: قرآن پاک کی سورہ ءاحزاب آیت نمبر ۳۹ میں ہے کہ یہ سب

ایسے تھے کہ اللہ کے احکامات پہونچایا کرتے تھے اور اللہ ہی سے ڈرتے تھے، اور اللہ حساب لینے کے لئے کافی ہے، یعنی علماء حق کے خلاف سازشیں کرنے والوں کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملانے کے لئے اللہ ہی کافی ہے، قرآن پاک میں ہے کہ علماء ہی اللہ سے سب سے زیادہ ڈرتے ہیں۔

(۵) صبر کرتے ہیں: قرآن پاک کی سورہ عصر میں ہے کہ حق کی وصیت کی اور صبر کی تو ان کے لئے دنیا و آخرت کی کامیابی ہے، علماء حق حق کو واضح کرتے ہیں اور آزمائش کے وقت میں صبر سے کام لیتے ہیں۔

(٦) حکمت سے کام لیتے ہیں: قرآن پاک کی سورہ نحل آیت نمبر ۱۲۵ میں ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی طرف حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلاتے ہیں اور دوسروں سے بہترین طریقے سے گفتگو کرتے ہیں۔

(۷) مستند اور قابلِ اعتبار ہوتے ہیں: قرآن پاک کی سورہ جمعہ آیت نمبر ۲ میں ہے کہ وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں سے ہی ایک رسول بھیجا جو قرآن کی باتیں بتاتا ہے اور ان کو گمراہی سے پاک کرتا ہے اور انھیں حکمت و نصیحت سکھاتا ہے، جب کہ یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

(۸) فتاوی کی ذمہ داری ہوتی ہے: علماء حق اسلامی مسئلے کے سلسلے میں اپنے فتووں سے امتِ اسلامیہ کی رہنمائی کرتے ہیں۔

(۹) مخالفینِ اسلام کو گھیرتے ہیں اور اسلام کے نام پر گمراہی پھیلانے والوں سے آگاہ کرتے ہیں: قرآن پاک کی سورہ مائدہ میں ہے کہ اے رسول! آپ اللہ کی باتوں کو لوگوں تک پہنچا دیجئے، اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو آپ نے ذمہ داری ادا نہیں کی، اور آپ کو اللہ لوگوں سے بچا لے گا، اگر اسلامی تعلیمات کے فروغ میں کوئی پریشانی یا مصیبت آئے گی تو اللہ تعالی آپ کی مدد کرے گا۔

(۱۰) حق کی حمایت اور باطل کی تردید کرتے ہیں: قرآن پاک کی سورہ مائدہ آیت نمبر ۵۴ میں ہے کہ وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔

علماء حق مندرجہ بالا خصوصیات کو قرآن وحدیث کی روشنی میں سمجھ کر ان سے علم حاصل کریں، اسلامی کی صحیح تعلیمات علماء حق کے سینے میں محفوظ ہوتی ہیں اس لئے ان کی صحبت سے فائدہ اٹھائیں، جب تک ہم جئیں تب تک ایمان پر جئیں اور جب ہمارا خاتمہ ہو تو ایمان پر ہو۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی خدمت میں کیوں تشریف لے گئے تھے

درحقیقت تصوف وسلوک وہی چیز ہے جس کو قرآن مجید نے احسان سے تعبیر کیا ہے، یہ اخلاص فی العمل کی وہ کیفیت ہے جو محض کتابوں سے نہیں پیدا ہوتی، بلکہ اس کے لئے کسی صاحبِ دل سے تعلق، اس کی صحبت اور ریاضت ومجاہدہ ضروری ہے، آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری حدیثیں کتابوں میں محفوظ ہیں، جو سب کی نظر سے گذرتی ہیں، بڑے بڑے کثیر الروایۃ صحابہ سے زیادہ ایک ایک محدث کو حدیثیں یاد ہیں، اور ان سے بقدر صلاحیت فائدہ بھی پہنچتا ہے، لیکن جو تاثیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند روزہ صحبت نے صحابہ کرام میں پیدا کردی تھی وہ اس پورے ذخیرہ کے حفظ سے پیدا نہیں ہوتی، پھر صحابہ کرام کے درجات کے لحاظ سے ان کا شرف مسلم ہے، لیکن ان میں سے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنا قرب اور واختصاص حاصل تھا، اسی قدر ان کو احسانی کیفیت سے حصہ ملا، اسی لئے بعد کے صحابہ مہاجرین اولین کے برابر نہیں ہیں، ان میں بھی عشرہ مبشرہ کا خاص درجہ ہے اس لئے جب عہدِ رسالت میں احسان کی کیفیت کو پیدا کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ضروری تھی تو اس زمانہ میں جب کہ مسلمانوں کی مذہبی روح مضحمل ہوگئی ہے، دلوں پر سیکڑوں حجابات پڑ گئے ہیں کسی صاحب دل شیخ کی صحبت اور بھی زیادہ ضروری ہے، اس سے جو اثر پیدا ہوتا ہے وہ محض کتابوں سے نہیں ہوسکتا۔

اسی کیفیت کو پیدا کرنے کے لئے بڑے بڑے ائمہ اسلام نے اپنے دور کے شیوخ کی طرف رجوع کیا ہے، اس لئے اگر سید صاحب نے (حکیم الامت حضرت) مولانا اشرف علی (صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) کی طرف رجوع کیا تو اس سے ان کے علمی مرتبہ میں کیا فرق آتا ہے۔ (حیات سلیمان ص:۶۸۶)

تنبیہ: حضرت حکیم الامتؒ کی صحبت کی برکت نے سید صاحبؒ کے تمام علوم کو عام وخاص ہر طبقے میں مقبول بنا دیا۔

تلاش شیخ میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی بے چینی

حضرت والا کو اصل کشش حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ کی ذات سے تھی مگر وہ اس عالم رنگ وبو میں موجود نہ تھے، اسی لئے تلاش شیخ ایک لاینحل سا مسئلہ بن گیا، خود فرماتے ہیں کہ:

''کامل دس برس تک چپکے ہی چپکے ہندوستان سے عرب تک نظر دوڑاتا رہا لیکن کوئی ہستی ایسی نظر نہ آتی تھی جو میرے درد کی درمانی کر سکے، بعض بزرگ ملے بھی تو طبیعت کو ان سے مناسبت نہیں ہوئی، بار بار یہی خیال آتا تھا کہ کاش حضرت حاجی امداد اللہ صاحب حیات ہوتے۔'' (تذکرہ سلیمان۔ص:۹۳)

سید صاحبؒ کی لکھنؤ میں مرشد تھانویؒ سے رجوع ہونے کی درخواست

تھانہ بھون میں مرشد تھانویؒ کو نہ پا کر حضرت والا لکھنؤ پہنچے، حکیم الامت کا قیام یہاں مولوی محمد حسن صاحب کاکوروی کے مکان پر تھا، بیماری کے سبب سے عام ملاقات کا سلسلہ تو بند تھا، البتہ مخصوص حضرات جیسے خواجہ عزیز الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے لئے حاضری پر امتناع نہ تھا، حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کے بغرض رجوع آمد کی اطلاع جب حکیم الامت کی خدمت میں پہنچی تو فوراً بلا لیا گیا اور ان کی ہی درخواست پر تربیت کی خدمت بلا تأمل قبول فرمائی گئی! اس طرح دس سالہ تلاش شیخ وسط اگست ۱۹۳۸ء میں بار آور ہوئی۔ (تذکرہ سلیمان، ص:۲۱۲۶۔ تذکرہ سلیمان، ص:۱۲۷)

جستجو آج وہاں پر مجھے لے آئی ہے

خود جہاں حسن محبت کا تماشائی ہے

جناب وصل بلگرامی صاحب ''سفرنامہ لاہور و لکھنؤ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''جناب مولانا محمد سلیمان ندوی عدم علم سفر کی وجہ سے حضرت والا سے ملنے کے لئے تھانہ بھون تشریف لے گئے تھے، اور جب علم ہوا کہ حضرت والا لکھنؤ میں تشریف فرما ہیں، لکھنؤ تشریف لائے اور اپنی تمنا کو پورا کیا''۔ (سفرنامہ لاہور و لکھنؤ ص: ۱۱۴)

مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا سید سلیمان ندوی اور مولوی مسعود علی ندوی کا باضابطہ تعلق بیعت یہیں۔ (لکھنؤ میں) غالباً شروع اکتوبر میں ہوا۔ (حکیم الامت، نقوش و تاثرات، ص: ۵۷۴)

''حکیم الامت قدس سرہٗ اگست ۱۹۳۸ء میں اپنے علاج کے سلسلہ میں لکھنؤ تشریف لائے تھے، اس موقع کو حضرت والا نے غنیمت سمجھا اور حاضر خدمت ہو کر مستقلاً رجوع ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔'' (معارف سلیمان نمبر، ص: ۲۹۰)

لکھنؤ میں چار دن حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کی صحبت اور اس کے بعد کے تاثرات

چار دن کے مختصر قیام لکھنؤ کے بعد حضرت والاؒ نے اپنے جس تاثر کا اظہار فرمایا ہے وہ قابل دید ہے، (اپنے دوست مولانا عبدالباریؒ صاحب ندوی کے نام ایک خط میں) تحریر فرماتے ہیں: ''لکھنؤ میں چار ہی روز صحبت رہی مگر مولانا (تھانویؒ) کی شفقت میری عقیدت کو بڑھاتی رہی اور آخر ان کی ہدایت کے بموجب اور آپ (مولانا عبدالباری) کا مشورہ تو پہلے ہی تھا، باب مکاتبت وا ہے اور اب تو وہی وہ ہیں:

آتے ہیں نگاہوں میں خیالوں میں دلوں میں

معائنہ سے بڑھ کر تصور میں مکالمے تک نوبت آتی ہے۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا۔

جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا۔

بہرحال اپنی طرف سے سفر شروع کر دیا ہے، منزل پر پہنچانا جس کا کام ہے وہ پہنچائے گا دعا کیجئے!

ذیل میں حضرت حکیم الامتؒ کے چند اہم ارشادات کو غور سے پڑھیں اور ان پر عمل کریں۔

گناہوں کا اثر مٹی پر بھی پڑتا ہے

حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا: ایک گاؤں میں ایک مولوی صاحب کا گزر ہوا، جو صاحب کشف تھے، اس گاؤں میں ایک عجیب آبخورہ تھا، جس میں پانی ہر موسم میں گرم رہتا تھا، حتی کہ چلہ کے جاڑوں میں بھی، ان مولوی صاحب سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا اس کو میرے پاس چھوڑ دو، چنانچہ ایک شب ان کے پاس رہا، صبح کو جو دیکھا تو اس میں پانی ٹھنڈا تھا، لوگوں نے وجہ پوچھی، فرمایا یہ ایک گنہگار، دوزخی کی مٹی کا بنا ہوا تھا، آج میں نے دعا کی اس کی مغفرت ہو گئی اس لئے پانی ٹھنڈا ہو گیا۔

علماء میں دو عادت بہت ناگوار ہیں جنہوں نے انہیں تباہ کیا ہے

اب میں استطر اداً اپنی جماعت کی بھی ایک غلطی ظاہر کرتا ہوں، یعنی علماء کی کہ وہ خوش نہ ہوں کہ ہم سب سے اچھے ہیں، بلکہ وہ بھی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ وہ یہ کہ علماء نے محض کتابی علم کو کافی سمجھ رکھا ہے، یہ علم حاصل کر کے عمل کی ضرورت نہیں سمجھتے، حالانکہ علم سے مقصود عمل ہی ہے، ان کی حالت یہ ہے کہ ان کے اخلاق باطنہ درست نہیں، نہ اس کی فکر ہے، جن میں دو خلق مجھے سخت ناگوار ہیں اور میں کیا چیز ہوں اللہ تعالیٰ کو ان سے سخت نفرت ہے۔

ایک طمع یعنی حُب مال، ایک حُب جاہ، علماء کو انہیں دو باتوں نے زیادہ تباہ کیا ہے، مدرسین کی یہ حالت ہے کہ تنخواہ پر جھک جھک کرتے ہیں، یہ نہایت واہیات ہے، اسی لیے کسی مدرسہ کے مہتمم کو اپنے کسی مدرس پر اعتماد نہیں ہوتا کہ یہ رہے گا یا نہیں، کیونکہ اگر دوسری جگہ سے پانچ روپیہ زائد پر بھی دعوت آگئی تو مدرس فوراً اس مدرسہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چل دیں گے، اگرچہ وہاں دین کی خدمت زیادہ نہ ہو۔

اور پہلی جگہ دین کی خدمت زیادہ ہو رہی ہو، اور گزر بھی ہو، یہ صریح دین فروشی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو محض تنخواہ مقصود ہے، دین کی خدمت مقصود نہیں، البتہ اگر پہلی جگہ کی تنخواہ میں گزر نہ ہوتا ہو، ضروریات میں تنگی پیش آتی ہو تو دوسری جگہ جانے کا مضائقہ نہیں، بشرطیکہ وہ تنگی واقعی ضروریات میں ہوں، کیونکہ فضول ضرورت میں تنگی ہونا معتبر نہیں، وہ دراصل ضروریات ہی نہیں، اس شخص نے خواہ مخواہ ان کو ضروریات میں ٹھوس رکھا ہے، پس یہ نہایت نازیبا حرکت ہے کہ عالم دین ہو کر مال پر رال ٹپکاتے پھریں۔

اور دوسرا مرض اُن میں حُب جاہ کا ہے جس کی وجہ سے علماء کے اندر پارٹی بندی ہوگئی ہے، ہر شخص اپنی ایک جماعت بنانے کی فکر میں ہے، علماء کا مال کے باب میں تو یہ مذاق ہونا چاہیے۔

اے دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی
بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

ان کو اپنی فقیری ہی میں مستغنی اور مست ہونا چاہیے کہ دنیا داروں کے مال پر نگاہ بھی نہ اٹھائیں، اور یہ باتیں ہی نہیں بلکہ اہل اللہ نے ایسا کر کے بھی دکھایا ہے۔

چنانچہ ایک بادشاہ کسی بزرگ کی زیارت کو گئے، خانقاہ کے دروازہ پر پہنچے تو دربان نے روک دیا کہ میں اول شیخ کو اطلاع کر دوں، اگر اجازت دے دیں تب اندر جانا۔ بادشاہ کو دربان کی

حرکت سخت ناگوار ہوئی، مگر چونکہ معتقدانہ آیا تھا، اس لئے خاموش رہ گیا، دربان نے شیخ کو اطلاع کی کہ بادشاہ سلامت زیارت کو آنا چاہتے ہیں، وہاں سے اجازت ہوگئی۔ جھلّا یا ہوا تو تھا ہی بزرگ کے سامنے جاتے ہی برجستہ یہ مصرعہ پڑھا کہ۔

در درویش را درباں نہ باید

بزرگ نے فی البدیہہ جواب دیا:

بباید تا سگ دنیا نیاید

بادشاہ اپنا سامنہ لیکر رہ گیا۔

اسی طرح جب شاہجہاں حضرت شیخ سلیم چشتی کی زیارت کو گئے، تو شیخ پہلے تو پیر سمیٹے ہوئے بیٹھے تھے، بادشاہ کے پہنچنے پر لمبے کر کے بیٹھ گئے، بادشاہ کے ساتھ ایک عالم بھی تھے، انہوں نے اس حرکت سے نفرت ظاہر کرتے ہوئے سوال کیا کہ آپ نے پیر لمبے کب سے شروع کر دئے، شیخ نے فی البدیہہ جواب دیا کہ جب سے ہاتھوں کو سمیٹ لئے۔

تو یہ حضرات بوجہ استغناء کے تہذیب عرفی کے پابند نہیں ہوتے اسی کو حضرت عارف فرماتے ہیں ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی
بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

یہ تو حب مال کے متعلق ارشاد تھا۔ آگے حب جاہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

دررہِ منزل جاناں کہ خطرہاست بجاں
شرط اول قدم اَنست کہ مجنوں باشی

مجنوں سے مراد فانی ہے، کیونکہ مجنوں عاشق کو کہتے ہیں، اور عشق ہمیشہ فانی ہوتا ہے، کہ اپنی عزت وآبرو کو محبوب پر نثار کر دیتا ہے، چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎

عاشق بدنام کو پروائے ننگ و نیام کیا
اور جو خود نا کام ہو اس کو کسی سے کام کیا

حضرت عارف فرماتے ہیں ؂

علماء میں یہی بڑی کمی ہے کہ یہ اس دولت عشق کو حاصل نہیں کرتے، اس لیے ان میں حُب جاہ باقی رہ جاتا ہے، اسی لئے ان کو مناصب اور امامت کی فکر رہتی ہے، ہر شخص اپنے لئے اس کی کوشش کرتا ہے، جیسے کونسل کی ممبری کے لئے ووٹ لئے جاتے ہیں، اس میں کچھ شک نہیں، کہ ہماری عزت تو اسی میں ہے کہ ہم امتیاز کی سب سے پچھلی صف پر کھڑے ہوں اور دوسرے ہم کو کھینچ کر آگے کریں، مگر یہاں معاملہ برعکس ہے کہ لوگ ہم کو پیچھے کرنا چاہتے ہیں اور ہم آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ اور اگر کوئی اس آفت سے بچا ہوا ہو تو اس دوسری آفت سے تو کوئی بھی بچا ہوا نہیں، الا نادرا کہ اگر آج اس کی بستی میں کوئی دوسرا امام آجائے جو اس سے اچھا قرآن پڑھتا ہو، یا کوئی واعظ آجائے جو اس سے اچھا وعظ کہتا ہو، یا مدرسہ میں کوئی دوسرا لائق مدرس آجائے جو اس سے اچھا پڑھاتا ہو، تو اس سے جلتے ہیں، حسد کرتے ہیں اور دل میں گھٹتے ہیں، چاہے زبان سے کچھ نہ کہیں، حالانکہ اخلاص اور دینداری اس کا نام ہے کہ اگر اپنے سامنے دین کی خدمت کرنے والے ہزار بھی ہو جائیں تو ہزاروں خوشیاں کی جائیں کہ الحمدللہ دین کی اشاعت کرنے والوں کی تعداد بڑھ گئی۔

ہمارے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بھائی اگر کوئی شخص راہ نجات بھی پڑھاتا ہے، یا قاعدہ بغدادی پڑھاتا ہے، تو وہ بھی ہمارا کام بٹاتا ہے، مطلب یہ کہ ہم ساری مخلوق کو تعلیم دینے سے عاجز ہیں اور تمنا یہ ہے کہ دین کا چرچا گھر گھر ہو جائے، تو جو شخص جس جگہ بھی دین کا کام کر رہا ہے وہ ہمارا معاون و مددگار ہے، اس لیے ہم کو تو یہ سن کر خوش ہونا چاہئے کہ دیوبند کی طرح سہارنپور و کانپور میں بھی عربی مدرسہ قائم ہو گیا ہے۔

مولویو تم نے ہی قوم کو ڈبویا ہے

فرمایا: میں علماء سے خاص طور پر کہتا ہوں کہ اپنے اندر یہ مذاق پیدا کرو اور اپنے اعمال و اخلاق کو درست کرو، کہاں کے مناصب اور کیسی امامت؟ یاد رکھو تم قوم کے ذمہ دار ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے ان افعال کی وجہ سے لوگ دین کو ذلیل سمجھنے لگیں، اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ان حرکات پر یہ نتیجہ بدمرتب ہو رہا ہے، لوگوں نے علماء کی طمع اور پارٹی بندی کی وجہ سے علم دین کو ذلیل سمجھ رکھا ہے، تم نے ہی قوم کو ڈبویا ہے، تم نے ہی ان کے اعمال کو خراب اور ستیاناس کیا ہے، جب عوام علماء کو پارٹی بندی کرتے دیکھیں گے تو بتلاؤ کیا وہ پارٹی بندی نہیں کریں گے، ضرور کریں گے، پھر ان کی اصلاح کیلئے ہمارا کیا منہ رہے گا۔

مولوی تو قوم کا خادم بن مخدوم مت بن

صاحبو! مسلمانوں کے خادم بنو مخدوم نہیں، پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ راستہ میں چلتے ہوئے کسی عامی کا سامنا ہو تو تم اس کو خود سلام نہیں کرتے بلکہ اس کے سلام کے منتظر رہتے ہو، یہ بھی وہی حُب جاہ ہے کہ تم اپنے کو بڑا سمجھتے ہو۔

واللہ مجھے امامت وخطابت کی خواہش نہیں

فرمایا: گو میں کچھ نہیں ہوں مگر الحمدللہ اپنے اکابر کے اس طرز کا عاشق ہوں اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اس رمضان گزشتہ میں لوگوں نے جامع مسجد کی امامت کے لئے مجھ سے درخواست کی، حالانکہ امامت وخطابت قدیم سے ہمارے قصبہ میں خطیبوں ہی کے خاندان میں ہے جن میں سے میں بھی ہوں، مگر اب تک دوسرے خاندان کے لوگ امام تھے، تو مجھے واللہ ایک دن بھی یہ وسوسہ نہیں آیا کہ اپنا منصب دوسرے کے پاس کیوں ہے، مگر اب بعض وجوہ سے لوگوں کو پہلے امام سے انقباض

ہو گیا اور مجھے امام کرنا چاہا تو میں نے صاف کہہ دیا کہ جب تک خود وہ امام اجازت نہ دے میں امامت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ خود ان لوگوں نے بھی درخواست کی، تو میں نے ممبر پر کھڑے ہو کر صاف کہہ دیا کہ میں اس وقت آپ لوگوں کے کہنے سے امامت قبول کرتا ہوں اور صاف کہتا ہوں کہ یہ میرا حق نہیں، جیسا کہ عام طور پر لوگ اس کو اپنا حق سمجھ لیتے ہیں، نہ میرے خاندان کو اس کے حق کی میراث پہنچے گی اور میں اس وقت تک امام رہوں گا جب تک آپ سب لوگ راضی ہیں اور اگر کسی ایک شخص کی مرضی نہ ہو خواہ وہ جولاہا یا تیلی ہو تو وہ ڈاک میں جس وقت بھی ایک کارڈ میرے نام ڈال دے گا کہ امامت سے الگ ہو جاؤ اسی دن میں امامت سے الگ ہو جاؤں گا، واللہ مجھے منبر اور وعظ و امامت کی خواہش نہیں، لوگ مجھ سے منبر اور وعظ وغیرہ کا کام لے لیں اور مجھے اس سے منع کر دیں، اور ایک حجرہ مجھے مل جائے، تو میں اس پر بھی راضی ہوں اور اگر حجرہ بھی چھین لیا جائے تو مجھے اس سے بھی دریغ نہیں، میں اپنے گھر میں یا جنگل میں بیٹھ کر اپنے خدا کو یاد کر لوں گا۔

امامت و منصب وبال جان

افسوس! آج کل کے علماء کے اندر یہ بات نہیں دیکھی جاتی، بلکہ جگہ جگہ یہ سننے میں آیا ہے کہ وہاں امامت پر جھگڑا ہے، وہاں وعظ پر فساد ہے، بات یہ ہے کہ مقصود جاہ ہے اس میں دوسرا شریک ہو جاتا ہے، تو ناگواری ہوتی ہے، خدا مقصود نہیں، اگر خدا مقصود ہوتا تو امامت و منصب وبال جان معلوم ہوتا۔

ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ حضرت کو ایک شخص نے رقعہ دیا۔ اس میں یہ مضمون تھا کہ آپ کا فلاں مرید ایسے ایسے کام کرتا ہے اس کو منع کر دیجیے، ورنہ اندیشہ ہے کہ لوگ حضرت سے بہت بے اعتقاد ہو جائیں گے، حضرت نے فرمایا کہ بھائی دوسروں پر کیوں رکھتے ہو،

اگر تمہارا جی بے اعتقاد ہونے کو چاہتا ہے تو تم بے اعتقاد ہو جاؤ، اور مجھے تم لوگوں کی بے اعتقادی سے کیا ڈراتے ہو، میں تو خدا سے چاہتا ہوں کہ مخلوق مجھے چھوڑ دے، اور مردود سمجھ کر مجھ سے سب الگ ہو جائیں، بس میں ہوں اور میرا خدا۔

ارے مجھے تو ہمارے اعتقاد نے پریشان کر دیا ہے کہ مجھے اپنے خدا کو یاد کرنے کا بھی یکسوئی کے ساتھ وقت نہیں ملتا، واقعی عشق تو یہ چاہتا ہے کہ اس کا یہ حال ہو ؎

جو خوش وقتے وخرم روزگارے
کریارے برخورداز وصل یارے

اگر کسی کا یہ مذاق ہو جائے تو اس کو منصب وامامت وشہرت سے خود ہی نفرت ہو جائے گی۔ اور اگر یہ مذاق نہ ہو اور شہرت کی ہوس ہی ہو تو اس کی تحصیل کا بھی وہ طریق نہیں جو رسمیں علماء نے آج کل اختیار کی ہیں، بلکہ اس کا طریق بھی فنا اور مٹانا ہی ہے، اپنے کو جتنا مٹاؤ گے اتنا ہی مشہور ہو گے، گو اس نیت سے فنا کا اختیار مذموم ہے مگر اس پر شہرت کا ترتب ضرور ہو جائے گا، جو تمہارا مدعا ہے، نیز اہل اسلام تمہاری پارٹی بندیوں کے ضرر سے محفوظ رہیں گے، اسی کو شاعر کہتا ہے ؎

اگر شہرت ہوس داری اسیر دام عزلت شو
کہ در پرواز دارد گوشہ گیری نام عنقا را

مگر شہرت کی طلب نامعلوم لوگوں کو کیوں ہے؟ اس میں کیا خوبی انہوں نے دیکھی ہے، اگر غور سے دیکھا جائے تو اس کی حقیقت تو صرف اتنی ہے کہ لوگ ہم کو بڑا سمجھیں، جو کہ محض ایک خیالی شئ ہے تو نفع تو محض وہمی وخیالی ہے۔

مشہور آدمی سے حسد ہوتا ہے

فرمایا: مشہور آدمی سے لوگوں کو حسد وعداوت پیدا ہو جاتی ہے، اس کے درپے ہو جاتے ہیں

اور بستی میں جب کوئی نئی واردات ہوتی ہے تو سب سے پہلے مشہور آدمیوں کی گردن ناپی جاتی ہے، گمناموں کو کون پوچھتا ہے اس لیے سلامتی اسی میں ہے کہ ؎

خویش را رنجور ساز و زار زار

تا تراں بیروں کنند از اشتہار را

اپنے آپ کو گمنام کرو، دنیا کی راحت بھی اسی میں ہے اور دین کی راحت بھی، کیونکہ گمنام آدمی کو یکسوئی اور خلوت کا موقع بہت ملتا ہے اور خلوت کو صفائی قلب میں بہت دخل ہے ؎

قعر چہ بگزید ہر کو عاقل ست

زانکہ در خلوت صفائی ہا دل ست

جو شہرت کا طالب ہوگا نقصان اٹھائے گا

فرمایا: ہاں جس شخص کو خود اللہ تعالیٰ مشہور فرمادیں اور وہ شہرت کا طالب نہ ہو تو وہ مجبور ہے، اور اس مجبوری کی وجہ سے یہ شہرت اس کو مضر بھی نہیں ہوتی، کیونکہ غیب سے اس شخص کی امداد ہوتی ہے، اور جو طالب شہرت کا ہوگا اس کو ضرور نقصان پہنچے گا، جس کی دلیل حدیث صحیح ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمن بن سمرہ صحابی کو فرمایا تھا۔

لا تسئل الامارة فانک ان اعطیتها عن مسئلة وکلت الیها وان اعطیتها عن غیر مسئلة اعنت علیها۔ (متفق علیہ)

عہدہ مت مانگو، بغیر مانگے عہدہ ملے گا تو خدا کی طرف سے تمہاری مدد ہوگی۔

علماء کو چاہیے کہ سود جیسے مسائل میں علتیں نہ بتائیں بلکہ قرآن کا طرز اختیار کریں

فرمایا: ایک جائیداد ہم نے خرید کی تھی ہزار میں اور فروخت کرنے لگے پندرہ ہزار میں، اب

وہ شخص جو سود کی صورت میں کوئی فرق عقلی بیان کرے، سو ہرگز وہ کوئی فرق عقلی نہ بیان کر سکے گا۔

چنانچہ کفار مکہ کو بھی یہی شبہ پیش آیا تھا، ان کو بھی یہی حیرت تھی، وہ کہتے تھے۔ **انما البیع مثل الربوا**۔ ربوا اور بیع میں کیا فرق ہے، دونوں ظاہر میں یکساں معلوم ہوتے ہیں، تو اب وہ علت کہاں رہی، قرآن میں اس کا جواب جو دیا گیا ہے، وہ سننے کے قابل ہے حق تعالیٰ نے عقلی وجہ فرق کوئی نہیں فرمائی، بلکہ یہ فرق بیان فرمایا۔ **احل اللہ البیع و حرم الربوا**۔

سود حرام اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے

کہ دونوں یکساں کیوں کر ہو سکتے ہیں، بلکہ دونوں میں بڑا فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بیع اور تجارت کو تو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے، اور حق تعالیٰ مالک ہیں، انہیں اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں اور جس کو چاہے حرام کر دیں، کسی کو وجہ دریافت کرنے کا کوئی حق نہیں۔

علماء کو چاہیئے کہ ایسے سوالات کے جواب میں قرآن کا طرز اختیار کریں، عوام کا مذاق علماء نے بھی خراب کر دیا ہے کہ جب ان سے ایسے سوال کیے جاتے ہیں تو وہ عوام کی مرضی کے موافق جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں، سو یاد رکھو! جو لوگ علتیں گھڑ کر بتلاتے ہیں وہ شریعت کی جڑ کو کھوکھلی کرتے ہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ جو علت وہ بتلا دیں اس کو کوئی ذہین آدمی مخدوش کر دے اور جب آپ نے حرمت کا مدار اسی حالت پر رکھا تھا تو اس کے مخدوش ہونے کے بعد حکم بھی مخدوش ہو جائے گا، علماء کو وصیت کرتا ہوں کہ عوام کا ایسا اتباع نہ کریں کہ اس میں عوام کا بھی نقصان ہے اور علماء کا بھی اور شریعت کی بنیا بھی کمزور ہوتی ہے، بلکہ جب کوئی ان سے پوچھے کہ فلاں کام کے حرام ہونے کی علت کیا ہے، تو صرف اتنا جواب دے دیا کریں کہ حق تعالیٰ نے اس سے منع کیا ہے یا حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

مولوی کی تعریف

ایک مولوی صاحب جو آج کل ایک بڑے لیڈر مشہور ہیں، ابتداء میں وہ ایک مدرسہ میں ملازم ہوئے تھے، معقول میں تو بڑی مہارت تھی، مگر دین سے ایسے ناآشنا کہ اُسی زمانہ میں ان کی شادی ہوئی تھی، جب گھر سے مدرسہ میں آئے تو آپ کے ہاتھوں میں مہندی لگی ہوئی تھی، غرض بعضے مولوی بھی جاہل ہوتے ہیں، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بعض جاہل مولوی مشہور ہو جاتے ہیں، کیونکہ مولوی اصل میں وہ ہے جو اللہ والا ہو اور اللہ والا آدمی شریعت سے جاہل نہیں ہوسکتا، مگر آج کل جہاں کسی نے عربی کی دو چار کتابیں پڑھ لیں اسے مولوی کہنے لگتے ہیں، چاہے اس نے محض معقول وادب ہی پڑھا ہو، اور دینیات کا ایک سبق بھی نہ پڑھا ہوا، حالانکہ یہ شخص حقیقت میں مولوی ہی نہیں۔

اگر معقول پڑھنے سے آدمی مولوی ہو جایا کرے تو ارسطو اور جالینوس سب سے بڑے مولوی ہونے چاہئیں، کیونکہ یہ لوگ معقول کے امام ہیں، حالانکہ ان کے موحد ہونے میں بھی کلام ہے ،اور اگر ادب پڑھنے اور عربی میں گفتگو کر لینے اور تحریر لکھنے سے مولوی ہو جایا کرے تو ابوجہل سب سے بڑے مولوی ہونے چاہئیں، کیونکہ یہ لوگ بہت بڑے عربی دان اور فصیح و بلیغ تھے ،تو محض معقول وادب سے انسان مولوی نہیں ہوسکتا، مگر آج کل ان کو بھی مولوی مشہور کر دیتے ہیں اور یہ مرض اوپر ہی سے چلا آتا ہے۔

ملا ملا میں حسد

فرمایا: چنانچہ ملا محمود جونپوری اپنے زمانہ میں بڑا فاضل مشہور تھا، حالانکہ وہ محض ایک فلسفی آدمی تھا، علوم شریعت میں اسے مہارت نہ تھی، مگر مشہور بہت ہو گیا تھا، حتی کہ شاہ دہلی نے اس کو طلب فرمایا اور بہت اعزاز واکرام کیا، ایک ملا بادشاہ کے ہاں پہلے سے ہی مقرّب تھے، ان کو فکر

ہوئی کہ اگر محمود کی دال گل گئی تو پھر ہماری پوچھ کم ہوجائے گی، اس لیے وہ اس فکر میں تھے کہ کسی موقع پر ملا محمود کا جاہل ہونا بادشاہ پر ظاہر کیا جائے، خشک مولویوں میں مرض حسد وغیرہ کا ہوا کرتا ہے۔

چنانچہ ایک دن کوئی جنازہ آیا اور لوگوں نے اسے کہا کہ جنازہ کی نماز پڑھادو، انہوں نے ملا محمود سے کہا کہ آپ کے ہوتے ہوئے میں نماز نہیں پڑھا سکتا، محمود نے انکار کیا، مگر اصرار کے بعد مجبور ہو کر آگے بڑھے، ان ملانے کان میں کہہ دیا مجمع زیادہ ہے ذرا قرائت بلند آواز سے پڑھیئے، اللہ اکبر کہہ کر انہوں نے الحمد للہ رب العالمین با آواز بلند پڑھنا شروع کردی، لوگوں نے نماز توڑ دی اور ایک شور مچ گیا کہ یہ کون جاہل ہے جسے جنازہ کی نماز بھی نہیں آتی ہے، غرض مصلے سے پیچھے ہٹائے گئے، اور سب لوگوں میں ان کی جہالت کا چرچا مشہور ہو گیا۔

جو خدا کو پسند ہو وہی نفع کی چیز ہے

فرمایا کہ: دیکھو! اگر کسی عاشق کے پاس سونا، چاندی، بھرا ہوا ہو، مگر محبوب کی نظر میں نہ آتا ہو تو کیا عاشق اس کو نفع کی چیز سمجھے گا، نفع کی چیز وہی ہے جو محبوب کو بھا جاوے ۔

چو در چشم شاہد نیاید زرت
زر و خاک یکساں نماید برت

اسی طرح مسلمان کے لئے نفع کی چیز وہی ہے جس سے خدا راضی ہو اور جس چیز سے خدا راضی نہ ہو ہرگز نفع کی چیز نہیں، اگر تمہارے پاس سلطنت بھی ہو مگر خدا راضی نہ ہوا تو وہ کچھ بھی نہیں، تم خدا کو راضی رکھو، اس کے احکام کی اتباع کرو، خواہ سلطنت ہو یا نہ ہو، رضائے الٰہی سے اگر تم کو یہاں سلطنت نصیب بھی نہ ہوئی آخر میں تمہاری ہی سلطنت ہوگی، اور وہ ایسے مستحکم ہوگی جس کو کوئی دشمن تم سے چھین نہیں سکتا، ہاں اگر خدا کو راضی رکھ کر تم کو دنیوی منفعت بھی حاصل ہو

جائے تو وہ خدا کی نعمت ہے، اسی طرح باطنی احوال اگر ذاکر کو پیش نہ آویں، مگر حق تعالیٰ کی رضا حاصل ہو وہ نفع میں ہے، اور اگر حالات وکیفیات کسی درجہ کی پیش آویں مگر اعمال مرضیٔ حق کے خلاف ہوں تو وہ سب ہیچ ہیں۔

حضرت خواجہ عبیداللہ احرار کا مقولہ ہے: برہوا پری مگسے باشی برآب روی خسے باشی، دل بدست آر کہ کسے باشی، یہ نظم نہیں بلکہ نثر ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر تم ہوا میں اڑنے لگے تو کیا ہوا۔ ایک مکھی کے برابر ہوئے، کیونکہ مکھی بھی ہوا میں اڑتی ہے اور اگر پانی پر چلنے لگے تو ایک تنکے کے برابر ہو گئے، پس یہ امور کوئی کمال نہیں، اب کمال یہ ہے کہ دل بدست آر کہ کسے باشی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ محبوب کو راضی رکھو، اس وقت تم آدمی ہو گئے۔

مسجد میں پڑھانا کس کے لئے جائز ہے

فرمایا: فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جو مدرس اور ملا بچوں کو تنخواہ لے کر پڑھاتا ہو اس کو مسجد میں نہ بیٹھنا چاہیے، کیونکہ مسجد میں اجرت کا کام کرنا بیع وشراء میں داخل ہے، اسی طرح جو شخص اجرت پر کتابت کرتا ہو یا جو درزی اُجرت پر کپڑے سیتا ہو یہ سب لوگ مسجد میں بیٹھ کر یہ کام نہ کریں، قلت **الا ان یکلون معتکفا فیجوز له ذالک کما ھو مقتضی قواعدھم واللہ اعلم**۔ اور اگر اپنے لئے عمل پڑھا جاوے تو تجارت تو نہیں مگر دنیا کا کام وہ بھی مسجد میں نہ چاہئے۔

فرمایا: حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص نے آ کر عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ مسجد میں پاخانہ پھر رہا ہوں، حاجی صاحبؒ نے فوراً فرمایا کہ تم مسجد میں کوئی عمل دنیا کے واسطے پڑھتے ہو گے، اس نے اقرار کیا، آپ نے فرمایا دنیا کے واسطے مسجد میں وظیفے نہ پڑھنے چاہئیں۔

حلال وحرام کھانے اگر ملے جلے ہوں تو کیا کریں

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن صاحبؒ کے ایک خادم تھے ،مولانا ان کے لیے کوئی کھانا بھیج دیتے ،توانہوں نے ایک بارعرض کیا کہ حضرت آپ تحقیق بھی کر لیتے ہیں کہ حلال ہے یا حرام ،شاہ صاحب نے فرمایا کہ ارے بھوکوں مر جائے گا بڑا حلال کھانے والا آیا، جا کھا لیا کر، جب ہمیں ایک مسلمان نے ہدیہ دیا اور ہم کواس کی آمدنی کا حال معلوم نہیں تو مسلمان پر ہم کو بدگمانی کی کیا ضرورت ہے کہ اس کی آمدنی حرام ہوگی۔

فرمایا: گنگوہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاہ صاحب مہمان ہوئے، جو حلال روزی کھانے کا دعوی کرتے تھے،اور بہت تفتیش کرتے تھے،حضرت کے یہاں سے ان کے لیے کھانا آیاتو واپس کردیا،اور کہا کہ میں خالص حلال کھاتا ہوں مشتبہ مال نہیں کھاتا،اور مجھ کو معلوم نہیں کہ یہ کھانا کیسا ہے، یہ کہہ کر وہ اپنے دل میں اس کے منتظر ہوئے ہوں گے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود آکر اس کھانے کی حقیقت بیان کریں گے کہ یہ کھانا اس قسم کی آمدنی سے تیار ہوا ہے جس میں کوئی شبہ نہیں،تب کھاؤں گا،مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایسے روگ نہیں پالتے تھے، جب کھانا واپس آیا تو آپ نے فرمایا کہ کھانا تو گھر میں رکھ لیا جاوے،اوران شاہ صاحب سے کہہ دیا جائے کہ خانقاہ میں گولر کھڑا ہے اس کے پھل بالکل حلال ہے،اس میں کوئی شبہ نہیں، پس گولر توڑیں اور کھاویں۔

خوب علاج کیا اگر وہ شخص سچا طالب حلال ہوتا تو ایسا ہی کرتا مگر اس کو تو محض تنگ کرنا اور اپنا نام کرنا مقصود تھا چنانچہ جاھل لوگوں کو بہت تنگ کیا کرتا تھا اور وہ اس سے خوش آمدید کرتے اور تلاش کر کے اس کے لیے حلال کھانا لایا کرتے تھے مگر حضرت کے ہاں سے جب صاف جواب مل گیا تو آپ بہت خوش ہوئے اور دوسرے وقت وہاں سے چل دیئے۔

تو صاحبو! یہ تقویٰ نہیں بلکہ تقویٰ کا ہیضہ ہے، شریعت نے اس قدر غلو سے منع کیا ہے، مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ دہ دردہ ہو جاؤ، حلال وحرام کی پرواہ نہ کرو بلکہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب تم کو بغیر تجسس کے معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص کے یہاں بالکل حرام آمدنی ہے تو اس کے گھر کا کھانا مت کھاؤ اور اگر یہ معلوم ہے کہ اس کی کچھ آمدنی حرام ہے اور کچھ حلال تو اس کے گھر کا کھانا مشتبہ ہے جو فتوے کے اعتبار سے کھانا جائز ہے، مگر احتیاط کرنا تقویٰ ہے، اور اگر کسی کا حال کچھ بھی معلوم نہ ہو تو تم کو بدگمانی کی کچھ ضرورت نہیں اس کو حلال ہی سمجھو، مگر آج کل عوام کی نظر میں اس شخص کی بہت وقعت ہوتی ہے جو شریعت میں غلو کرے اور راز اس کا یہ ہے کہ غلو فی الدین سے امتیاز پیدا ہوتا ہے اور اگر اعتدال سے کام لیا جائے تو اس سے کچھ امتیاز نہیں ہوتا، شہرت اسی کام سے ہوتی ہے جو نیا ہو۔

عوام کے اعتقاد کا کوئی اعتبار نہیں

فرمایا: گڑھی میں ایک شاہ صاحب آئے ان کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی ان کی دعوت کرتا تو پہلے آپ مراقبہ کر کے کہہ دیتے کہ تیرے یہاں آمدنی حلال نہیں، اس لئے میں دعوت قبول نہیں کرتا، اور کبھی کہہ دیتے کہ ہاں تیری آمدنی حلال ہے، تیری دعوت منظور ہے، لوگوں میں بڑی شہرت ہوئی کہ واقعی شاہ صاحب بڑے بزرگ ہیں، حرام آمدنی کبھی کھاتے ہی نہیں، مراقبہ کر کے معلوم کر لیتے ہیں کہ آمدنی کیسی ہے، مگر چند لوگ ہوشیار بھی تھے، انہوں نے کہا کہ شاہ صاحب کے مراقبہ کا امتحان کرنا چاہئے، کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ محض ظاہری آثار سے سمجھ لیتے ہوں کہ یہ شخص امیر ہے اور امیروں کے یہاں ایسی ہی گڑبڑ آمدنی ہوتی ہے اور فلاں شخص مزدور خستہ حال ہے اور غریبوں کے یہاں اکثر مزدوری کی آمدنی ہوتی ہے جس میں شبہ کم ہوتا ہے اس لئے ان کا امتحان لینا چاہیے۔

چنانچہ وہ لوگ ایک کسبی کے یہاں گئے کہ تیرے پاس کوئی تازہ آمدنی کا روپیہ ہوتو ذرا ایک دوروز کے واسطے ہمیں دے دے، چنانچہ اس نے تازہ آمدنی کا ایک روپیہ دے دیا، وہ روپیہ ان لوگوں نے ایک مزدور غریب آدمی کو دیا کہ اس روپے سے تو شاہ صاحب کی دعوت کر، چنانچہ وہ گیا اور شاہ صاحب سے عرض کیا کہ حضور آج میرے یہاں دعوت قبول کر لیجئے، شاہ صاحب نے حسب معمول مراقبہ کیا اور سر اٹھا کر کہا کہ سبحان اللہ تمہاری آمدنی میں بڑا نور ہے، بالکل حلال ہے، تمہاری دعوت منظور ہے، لوگ سمجھ گئے کہ شاہ صاحب کا مراقبہ محض ڈھونگ ہی ہے، جب وہ اس کے گھر پر گئے اور کھانا کھا چکے تو ان لوگوں نے کہا کہ شاہ صاحب ذرا پھر مراقبہ کر لیجیے، آپ نے جو کھانا کھایا ہے وہ حلال ہے یا حرام، آپ نے پھر مراقبہ کیا، اور کہا ماشاءاللہ! اس کھانے میں بہت ہی انوار ہیں جس سے دل منور ہو گیا، لوگوں نے جوتا نکال کر شاہ صاحب کی خوب مرمت کی کہ جھوٹے مکار بس تیرے مراقبہ کا حال معلوم ہو گیا تو مخلوق کو دھوکا دیتا اور پریشان کرتا ہے یہ کھانا جو تو نے کھایا ہے ایک کسبی کی آمدنی سے تیار ہوا ہے جس میں تجھے انوار نظر آتے ہیں۔

واقعی خوب امتحان لیا مگر ایسے امتحان لینے والے بہت ہی کم ہوتے ہیں اکثر تو ان مکاروں کے دھوکا ہی میں آجاتے ہیں اسی لیے محققین نے کہا ہے کہ عوام کی مدح وثنا سے کسی کو معتقد نہ ہونا چاہیے، یہ لوگ ہر ایک کے معتقد ہو جاتے ہیں اور خود مشائخ کو بھی عوام کی تعریف سے اپنا معتقد نہ ہونا چاہیے، جب تک کوئی صاحب نظر شہادت نہ دے کہ تمہاری اچھی حالت ہے، صائب کہتے ہیں ؎

بنمائے صاحب نظرے گوہر خود را
عیسیٰ نتواں گشت بتعریف خرے چند

اکابر کے یہاں مناظرہ کی ممانعت کیوں تھی

فرمایا کہ: علم مناظرہ کہ فی نفسہ جائز ہے لیکن بعض لوگ اس طرز سے اس کی تعلیم دیتے ہیں جو کہ مضر فی الدین ہے، اس لیے اس طرز سے تعلیم و تعلم کو ممنوع کہا جائے گا۔

جیسے بعض جگہ کو مناظرہ کی تعلیم اس طرح دی جاتی ہے کہ ایک جماعت فرضی عیسائی بنتی ہے، اور ایک مسلمان، اور پھر وہ جماعت جو عیسائیوں کی طرف سے وکالت کرتی ہے وہ بالکل اسی طرح گفتگو کرتی ہے جیسے سچ مچ کوئی عیسائی بول رہا ہے، مثلاً وہ اپنی مقابل جماعت سے اس طرح خطاب کرتے ہیں کہ آپ کے قرآن میں یہ لکھا ہے اور ہماری انجیل میں یہ مسئلہ اس طرح بیان کیا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک مدرسہ کے مہتمم نے مجھے طلبہ کا مناظرہ دکھلایا تھا، وہاں میں نے یہ طرز دیکھا، واللہ ان طلبہ کی اس گفتگو سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے، جب وہ مناظرہ ختم ہو گیا تو مہتمم صاحب کہنے لگے کہ اس میں کوئی بات قابل اصلاح ہو تو فرما دیجئے میں نے کہا ؎

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

یہ تو سر سے پاؤں تک ہی بگڑا ہوا ہے میں کس بات کی اصلاح کروں، سو اس طرز میں ایک ضرر تو یہی ہے کہ مسلمان سے عیسائی بن گئے دوسرے یہ کہ مناظرے میں ہر فریق کو اپنی بات کا اونچا رہنا اور دوسرے فریق کی بات کا نیچا رکھنا مد نظر ہوتا ہے، تو یہ صورت مطلقاً بھی اور خصوص ایسے طور پر نہایت سخت ہے کہ ایک فریق اسلام کی جانب کو کمزور کرنے کی کوشش کرے جس سے بعض دفعہ سلب ایمان کا اندیشہ ہو جاتا ہے، کیونکہ آج کل طبائع میں سلامتی نہیں ہے، نیتیں درست نہیں ہیں، پس ایسے لوگ بہت کم ہیں جو اس طرز میں نیت کو درست رکھ سکیں، ممکن ہے کہ کسی وقت کوئی شخص محض اپنی بات کی پچ کرنے لگے اور نفسانیت کی وجہ سے اسلام کی جانب کو کمزور کرنے لگے تاکہ سننے والے یہ کہیں کہ فلاں شخص نے بڑی زوردار تقریر کی اور اس کا انجام جو کچھ ہے ظاہر ہے۔

تیسرے یہ غضب ہے کہ اس قسم کے مناظرہ میں بعض دفعہ عوام بھی شریک ہو جاتے

ہیں، جس میں بڑا اندیشہ یہ ہے کہ کسی کے ذہن میں فریق باطل کے دلائل بیٹھ جائیں اور اہل حق کی طرف سے جو اُس کا جواب بیان کیا جائے وہ اس کی سمجھ نہ آوے، یا جس طالب علم نے اہل اسلام کی طرف سے جواب دیا ہے اُس کی تقریر اچھی نہ ہو تو اس عامی شخص کا ایمان اس صورت میں برباد ہو جائے گا، اس لئے میرے نزدیک یہ طرز بالکل قابل ترک ہے بلکہ میرے نزدیک تو مناظرہ کیلئے تعلیم و تعلم کی ضرورت نہیں، فطرت سلیم ہو تو انسان ہر باطل مذہب کا رد بہت آسانی سے کر سکتا ہے۔

فطرت سلیم ہو تو جواب مدلل اور مسکت عطا ہوتا ہے

فرمایا: الہ آباد میں ایک رئیس تھے، بالکل ان پڑھ جو اپنے دستخط بھی نہ کر سکتے تھے، بس ایک مہر بنوالی تھی، جب دستخط کرنا چاہتے، مہر کر دیتے تھے، ایک دفعہ وہ سوراری پر سوار ہو کر جارہے تھے راستہ میں ایک عیسائی کھڑا ہوا اپنے مذہب کی حقانیت بیان کر رہا تھا، اپنے حق پر ہونے کی ایک دلیل اس نے یہ بھی بیان کی کہ دنیا میں عیسائی سب سے زیادہ ہیں، انجیل کے ترجمے بہت زبانوں میں ہو چکے ہیں، معلوم ہوا کہ اللہ کے نزدیک ہم زیادہ مقبول ہیں، جو ان کی اس قدر کثرت اور ترقی ہے، ان رئیس صاحب نے اپنی سواری روک کر پادری سے کہا کہ یہ تو کوئی دلیل حقانیت کی نہیں، آؤ ہم اسٹیشن پر چل دکھائے دیتے ہیں کہ ریل گاڑی میں فسٹ کلاس کا درجہ ایک ہی ہوتا ہے اور تھرڈ کلاس بہت ہوتے ہیں پس ہم مسلمان فسٹ کلاس ہیں اور تم عیسائی لوگ تھرڈ کلاس ہو، یہ جواب سن کر پادری مبہوت ہو گیا اور اس سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔

تو دیکھیے! ایک ان پڑھ آدمی نے پادری کو خاموش کر دیا، اس لیے میں کہتا ہوں کہ مناظرہ کے لئے سیکھنے اور سکھانے کی ضرورت نہیں، البتہ طبیعت سلیم ہونی چاہیے، پھر ہر اعتراض کا جواب دے لینا آسان ہے، پھر آج کل جس طرح مناظرہ کیا جاتا ہے سلف کا یہ طریقہ یہ نہ تھا، قرآن میں

جا بجا کفار سے مناظرہ کیا گیا ہے، مگر اس کا عجیب طرز ہے، آج کل کی طرح تو تو میں میں نہیں ہے، احادیث میں حضرات صحابہؓ کے مناظرے مذکور ہیں، ان کا طرز یہ تھا کہ ایک شخص اپنی بات کو بار بار دہرائے جاتا تھا آخر دونوں میں سے ایک کہہ دیتا تھا کہ بس مجھے انشرح ہو گیا، اور میری سمجھ میں آ گیا، دلائل اور ردوقدح زیادہ نہ ہوتے تھے، اور یہی طرز قرآن کا ہے۔

آج کل کے مناظرہ میں ایک ضرر یہ بھی ہے کہ یہ لوگ مخالف کے جواب میں انبیاء کرام کی توہین کرنے لگتے ہیں، چنانچہ ایک مناظرہ میں عیسائی نے کہا کہ حضرت عیسی علیہ السلام مسلمانوں کے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ زاہد تھے، عیسیٰ علیہ السلام نے ایک بھی نکاح نہیں کیا ،ساری عمر زہد کی حالت میں گزار دی ،اور مسلمانوں کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوڑ نوشادیاں کیں ،تو اس کے جواب میں ایک صاحب کیا فرماتے ہیں کہ پہلے یہ تو ثابت کردو،عیسی علیہ السلام میں قوت رجولیت و مردانگی بھی تھی۔ لیجئے صحیح جواب کو چھوڑ کر ان حضرت نے ایسا جواب دیا جس میں نعوذ باللہ عیسی علیہ السلام پر نامردی کا عیب لگا جاتا ہے، حالانکہ انبیاء کرام جس طرح باطنی کمالات کے جامع ہوتے ہیں اسی طرح ظاہری کمالات بھی ان میں کامل طور پر موجود ہوتے ہیں، ان کے قوی بشریہ دوسروں سے زیادہ ہوتے ہیں۔

علماء کو اظہار منصب کے بجائے سادہ رہنا چاہئے

بعض لوگ جب دیکھتے ہیں کہ فلاں جگہ رہ کر عوام کی نظروں میں ہماری وقعت نہ ہوگی ،تو اس جگہ چھوڑنا چاہتے ہیں، اور ایسی جگہ کی تلاش میں رہتے ہیں جہاں ان کی وقعت زیادہ ہو۔

بعض لوگوں کو اس کا اہتمام ہوتا ہے کہ جب ہم بازار میں یا کسی اور جگہ جاویں تو چار آدمی ہمارے ساتھ چلنے والے ہوں ،تنہا چلنا انہیں گوارا نہیں ہوتا، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ جب آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ راستہ میں کچھ صحابہؓ ہوجاتے تو آپؐ بعض کو آگے کردیتے اور بعض کو پیچھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کے آگے نہ چلتے تھے، اسی طرح مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں جگہ پاتے وہیں بیٹھ جاتے آپؐ کی نشست کیلئے کوئی ممتاز جگہ نہ تھی، حتیٰ کہ باہر سے آنے والوں کو یہ بھی نہ معلوم ہوتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مجمع میں کون سے ہیں، جب تک کہ وہ خود یہ سوال نہ کرتا: **من محمد فیکم** کہ تم میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون سے ہیں؟ صحابہؓ اس کے جواب میں فرماتے: **هذا الابیض المتکی** یعنے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ہیں گورے چٹے جو سہارا لگائے بیٹھے ہیں۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ طیبہ پہنچے تو مدینہ والے شہر سے باہر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال کیلئے حاضر ہوئے اُس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی آپؐ کے ساتھ تھے، اور حضرت ابوبکرؓ کی عمر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دواڑھائی برس ہی کم تھی مگر ان کے قویٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے نہ تھے، اسی لئے وہ باوجود چھوٹے ہونے کے دیکھنے میں بڑے معلوم ہوتے تھے، کیونکہ اُن کے بال زیادہ سفید ہوگئے تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قویٰ نہایت اچھے تھے، اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بال بھی غالباً سفید نہ ہوگا، کیونکہ وصال کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند گنتی کے بال سفید تھے۔ اور ہجرت کا واقعہ وصال سے دس برس پہلے کا ہے، تو اس وقت ایک بال بھی شاید سفید نہ ہوگا، اس لئے اکثر لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھے، پس سب لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی سے آکر مصافحہ کرتے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی مصافحہ نہ کرتا مگر اللہ رے تواضع کہ نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے خود یہ فرمایا کہ مجھ سے مصافحہ کرو، میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سادگی کہ انہوں نے مصافحہ سے انکار نہ کیا۔ جو کوئی اُن سے مصافحہ کرتا بے تکلف ہاتھ بڑھا دیتے انہوں نے حضورؐ کی راحت کا خیال کیا ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنی بھی تکلیف کیوں دیں، الغرض دیر تک لوگ حضرت ابوبکرؓ کو ہی رسول سمجھتے

رہے، تھوڑی دیر میں جب حضورؐ پر دھوپ آنے لگی، اس وقت صدیقؓ کھڑے ہوئے اور اپنے چادرہ سے حضورؐ پر سایہ کرنے لگے، جب سب کو معلوم ہوا کہ یہ خادم ہیں جن سے ہم نے مصافحہ کیا تھا، اور دوسرے مخدوم ہیں، بھلا کچھ حد ہے اس تواضع اور سادگی کی۔

مگر آج کل تو لوگ خود بڑا بننے کی کوشش کرتے ہیں، اور اگر کوئی کوشش بھی نہ کرے تو عوام کے مصافحہ اور ہاتھ پیر چومنے سے اُس کو شبہ ہوتا ہے کہ میں ضرور کچھ ہوں جبھی تو یہ لوگ میری اس قدر تعظیم کرتے ہیں، عجیب بات ہے انسان کو اپنے عیوب حالانکہ خوب معلوم ہوتے ہیں جن کو دوسرے نہیں جانتے، تو گویا دوسرے لوگ اس کے عیوب سے جاہل ہیں، مگر یہ شخص ان جاہلوں کی تعظیم وتکریم سے یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں واقع میں اسی قابل ہوں اور جو عیوب اسے یقیناً اپنے اندر معلوم ہوتے ہیں ان سے قطع نظر کر لیتا ہے بلکہ ان کو بھول جاتا ہے۔

جیسے حکایت ہے کہ ایک نائن نے ایک بیوی کو نتھ اتار کر منہ دھوتے دیکھا، نتھ اتارنے سے سمجھی یہ بیوہ ہوگئی، دوڑی ہوئی اپنے شوہر کے پاس آئی کہ کیا بیٹھا ہے، فلاں نے کے پاس یعنے اس بی بی کے شوہر کے پاس دوڑ اور خبر کر کہ تمہاری بیوی بیوہ ہوگئی، وہ نائی بھی ایسا احمق تھا پہنچا۔ پھر وہ شخص بھی بیوقوف ہی تھا، نائی سے پوچھا کہ گھر میں خیریت ہے، نائی نے کہا حضور اور تو سب خیریت ہے مگر آپ کی بیوی بیوہ ہوگئی، بس یہ خبر سن کر آپ نے رونا پیٹنا شروع کر دیا، ایک دوست ان سے ملنے آئے پوچھا خیر تو ہے یہ رونا پیٹنا کیوں ہو رہا ہے، کہنے لگے کہ میری بیوی بیوہ ہوگئی ہے، ان سے کہا خدا کے بندے ہوش سے کام لے، جب تو زندہ سلامت موجود ہے تو بیوی کیونکر بیوہ ہوگئی، تو آپ جواب میں کہتے ہیں کہ یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں، مگر گھر سے آیا ہے معتبر نائی، بس یہی حالت آجکل اکثر لوگوں کی ہو رہی ہے کہ وہ اپنے عیوب کو اچھی طرح جانتے ہیں اور خوب سمجھتے ہیں کہ ہم کسی قابل نہیں، مگر لوگوں کی تعظیم وتکریم سے یہ خیال کرتے ہیں کہ معتبر لوگ میرے معتقد

ہیں، شاید ان لوگوں کو میری حالت مجھ سے زیادہ معلوم ہو، اور میرے اندروہ عیوب بھی شاید نہ ہوں جو مجھ کو معلوم ہوتے ہیں، بس وہی قصہ ہو رہا ہے کہ گھر سے آیا ہے معتبر نائی۔

ایک میاں جی لڑکوں کو پڑھایا کرتے تھے، ایک دن لڑکوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ آج کسی طرح چھٹی لینی چاہئے سب کے اتفاق سے یہ بات قرار پائی کہ جب میاں جی آویں تو ایک لڑکا غمگین صورت بنا کر ان سے یہ کہے کہ حضور خیر تو ہے، آج آپ کا چہرہ اترا ہوا ہے، پھر سب لڑکے ایک ایک کر کے یہی کہیں، چنانچہ میاں جی آئے اور ایک لڑکا منہ بنا کر ان کے پاس گیا اور کہا حضور مزاج کیسا ہے؟ خیر تو ہے، کچھ چہرہ اترا اترا ہوا معلوم ہوتا ہے، میاں جی نے اس کو تو ڈانٹ دیا کے جا بیٹھ کام میں لگ، میں تو اچھا خاصا ہوں ابھی پیٹ بھر کے کھانا کھا کر آیا ہوں وہ تو بیٹھ گیا دوسرا پہونچا، میاں جی نے اسے بھی دھتکار دیا، تیسرا پہونچا اب میاں جی کو وہم ہونا شروع ہوا اسے بھی ٹال دیا، مگر نرمی سے اب وہ تیزی نہ رہی چوتھا پہونچا اب تو قوی شبہ ہو گیا واقعی میرا چہرہ اتر رہا ہوگا، جبھی تو یہ سب کے سب مزاج پرسی کر رہے ہیں، اس کے بعد ایک اور آیا بس اب تو ان کو خاصا بخار ہو گیا اور کپڑا اوڑھ کر چل دئے اور مکتب بند کر دیا، لڑکوں کو چھٹی مل گئی اب ملّا جی گھر میں پہونچے آہ آہ کرتے ہوئے، بیوی نے کہا کہ کیا ہوا؟ ابھی تو یہاں سے اچھے خاصے گئے تھے، ملّا جی کہاں تھے؟ ڈنڈا لیکر اس کے سر ہو گئے کہ تو تو یہی چاہتی ہے کہ میں مر جاؤں اور تو دوسرا نکاح کرے، یوں کہتی ہے کہ تم تو ابھی اچھے خاصے گئے تھے میں اچھا خاصا گیا تھا اسی وقت میرا چہرہ اترا ہوا تھا، لڑکوں کو معلوم ہو گیا اور تجھے نہ معلوم ہوا کہ میں بیمار ہوں، غرض اس غصہ میں آس پاس کے لوگ بھی آ گئے اور پوچھنے لگے کہ ملّا جی کیوں غصہ ہو رہے ہو، ملّا جی نے بیوی کی شکایت کی جب ایک شخص نے کہا کہ میاں جی تمہاری عقل کہاں ہے؟ یہ تو لڑکوں کی ایک شرارت تھی وہ تم سے چھٹی لینا چاہتے تھے اور وہ ابھی راستہ میں کہتے جا رہے تھے کہ آج ہم نے خوب چھٹی لی، تم بیوقوف

تھے ان کے بہکانے میں آ گئے، تب ذرا ملّا جی کے حواس درست ہوئے، صاحبو! اس حکایت میں تو ہر شخص اس ملّا کو بیوقوف بتانے کو تیار ہوگا، مگر اس کی خبر نہیں کہ اس بیوقوفی میں ہم سب مبتلا ہیں، کہ جہاں چار آدمیوں نے ہمارے ہاتھ پیر چومنے شروع کئے اور ہم کو سچ مچ اپنے بزرگوں کا وہم ہونے لگا، مولانا فرماتے ہیں ؎

او چو بیند خلق راسر مستِ خویش   از تکبر می رود از دست خویش

اشتہارِ خلق بندِ محکم دست   بنداو از بند آہن کہ کم ست

خویش رار بخور رساز وزار رزار   تاترا بیروں کنند از اشتہار

تم اپنے کو مٹادو پھر دیکھو تمہاری کیسی قدر ہوگی

فرمایا: پس علماء کو علم کی فضیلت عربی ہی کے ساتھ خاص نہ کرنا چاہئے اور نہ یہ خیال کرنا چاہئے کہ اگر اردو پڑھنے والا بھی عالم کے برابر فضیلت میں ہو گیا تو ہم کو کون پوچھے گا، میں کہتا ہوں کہ تم اس خیال کو دل سے نکال دو اور اپنے کو مٹا دو دیکھو پھر تمہاری ہی قدر ہوگی، کچھ خاصیت ہے مٹانے میں کہ اس سے زیادہ شہرت ہوتی ہے میں تو کہا کرتا ہوں جو لوگ طالب جاہ ہیں ان کو جاہ حاصل کرنے کا طریقہ ہی نہیں آتا، جاہ بھی ترک جاہ ہی سے حاصل ہوتی ہے، طلب سے حاصل نہیں ہوتی، مگر نیت سے اگر کوئی ترک جاہ کرے تو وہ یاد رکھے کہ ثواب کچھ نہ ہوگا، تواضع اس نیت سے کرنا کہ ہم متواضع مشہور ہو جائیں گے، تکبر ہی میں داخل ہے، پس مٹانے میں یہ خاصیت ہے کہ اس سے شہرت ہو جاتی ہے اور بزرگ فرماتے ہیں ؎

اگر شہرت ہوس داری اسیرِ دامِ عزلت شو

کہ در پرواز دارد گوشہ گیری نام عنقارا

دوسری بات یہ ہے کہ اگر تم سارے عالم کو عالم بنادو گے جب بھی بڑے تم ہی رہو گے ، کیونکہ تم پھر بھی استاد ہو گے اور سب لوگ تمہارے شاگرد ہوں گے، شاگرد چاہے کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو جائے آخر تو رتبہ استاد سے کم ہی ہے، گو ظاہر میں بڑا معلوم ہو جیسے کوئی شخص اپنے چھوٹے بھائی کو خوب دودھ گھی کھلا وے تا کہ موٹا تازہ ہو جاوے اور چند سال میں ایسا تیار ہو جاوے کہ بڑا بھائی اس سے چھوٹا معلوم ہونے لگے تو کیا رتبہ میں بھی وہ چھوٹا ہو جائے گا، ہرگز نہیں، بڑا بھائی پھر بھی بڑا رہے گا اور جب لوگ تمہارے شاگرد ہو جاویں گے اس وقت تمہاری اس وقت سے زیادہ قدر ہوگی، کیونکہ وہ جانیں گے ان کے پاس علمی جوہر ہیں میزان پڑھنے والا شرح مُلّا جامی پڑھنے والے کی اس لئے قدر کرتا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ اس درجہ کا طالب علم ہے اور جس نے کچھ بھی نہ پڑھا ہو اس کے نزدیک میزان اور شرح جامی پڑھنے والا یکساں ہے۔

علم دین کی فضیلت

فرمایا: روحانی زندگی علم ہی پر موقوف ہے، اور جس طرح روٹی کھانا آپ کو روزانہ سہل ہے اسی طرح آپ علم میں مشغول ہو کر دیکھیں پھر وہ بھی آپ کیلئے سہل ہو جائے گا، اور جب علم کا چسکہ لگ جائے گا تو پھر آپ کو اس کے بغیر چین نہ آئے گا، پھر اس میں ایک بڑا نفع یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رضا اس سے حاصل ہوتی ہے جو شخص طلب علم میں مرتا ہے اس کو شہید کا ثواب ملتا ہے، صاحبو! حق تعالیٰ اپنے بندوں سے راضی ہونے کے واسطے بہانہ ڈھونڈتے ہیں، امام محمد رحمہ اللہ کو کسی نے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا پوچھا کیا حال ہے؟ فرمایا: مجھ کو حق تعالیٰ کے سامنے پیش کیا گیا، حکم ہوا کہ اے محمد مانگو کیا مانگتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میری مغفرت کر دی جائے ارشاد ہوا کہ اگر ہم تم کو عذاب کرنا چاہتے تو علم عطا نہ کرتے تم کو ہم نے اپنا علم اس لئے عطا کیا تھا کہ ہم تم کو بخشنا چاہتے

تھے، لہذا مغفرت تو ہے ہی کچھ اور مانگو سبحان اللہ دیکھئے علم دین کی کیسی فضیلت ہے، واقعی حق تعالیٰ بخشنے کے واسطے بہانہ ڈھونڈتے ہیں، چنانچہ قرآن میں ایک جگہ خود ارشاد فرماتے ہیں: **مَا یَفعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُم اِن شَکَرتُم وَ اٰمَنتُم وَ کَانَ اللّٰہُ شَاکِرًا عَلِیمًا۔** یعنی اگر تم خدا کی نعمتوں کا شکر کرو جس کی تفسیر یہ ہے کہ ایمان لے آؤ یہ واؤ عطف تفسیری کیلئے ہے، تو حق تعالیٰ تم کو عذاب کر کے کیا کریں گے، یعنی تمہارے عذاب کرنے میں خدا کا کونسا نفع ہے اور حق تعالیٰ بڑے قدردان ہیں، جاننے والے ہیں، ان کو سب خبر ہے کہ کون ایمان دار ہے اور کون نہیں اور وہ ہر مسلمان کے ایمان کی قدر فرمائیں گے۔

کام کے علماء وہی ہیں جن کو کسی کامل کی صحبت نصیب ہوتی ہے

فرمایا: صحابہ کا بڑا کمال یہ تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت ان کو نصیب تھی، پس یاد رکھو کہ صحبت بدون علم متعارف کے مفید ہو سکتی ہے، مگر علم متعارف بدون صحبت کے بہت کم مفید ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج کل بہت سے علماء نظر آتے ہیں مگر ان میں کام کے علماء چند ہی ہیں جن کو کسی کامل کی صحبت نصیب نہیں ہوئی ہے۔

عربی اچھی ہے یا انگریزی

فرمایا: میرا ایک عزیز ہے اس کے والدین نے بچپن ہی سے اس کو انگریزی تعلیم میں ڈال دیا تھا، ایک مرتبہ وہ شوخی کرتا پھرتا تھا، میں نے بلایا کہ ادھر آؤ باتیں کریں، وہ آیا میں نے کہا، کہ بتلا عربی اچھی ہے یا انگریزی؟ بے ساختہ بولا عربی، میں نے پوچھا کیوں؟ کہنے لگا کلام اللہ عربی میں ہے، عربی پڑھنے سے کلام اللہ خوب سمجھ میں آتا ہے، مجھے اس کے اس جواب سے حیرت ہوگئی۔

پھر میں نے کہا کہ یہ تو صحیح ہے مگر اس سے دنیا نہیں ملتی نہ اس سے بڑی بڑی نوکریاں ملتی ہیں، اور انگریزی پڑھنے سے بڑے بڑے عہدے ملتے ہیں، تو عربی پڑھ کر کھائے کہاں

سے؟ اس کا جواب بھی کس قدر گہرا دیا، کہنے لگا کہ جب آدمی عربی پڑھتا ہے تو وہ اللہ کا ہوجاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں کہ اس کی خدمت کرو، لوگ اس کی خدمت کرتے ہیں، اس لئے وہ پریشان نہیں ہوتا، میں نے کہا کہ یہ بھی ٹھیک ہے مگر یہ ذلت کی صورت ہے کہ لوگوں کے نذرانوں پر پڑا رہتا ہے، اس نے کہا ذلت تو خود مانگنے میں ہے اور اس میں کیا ذلّت ہے؟ کہ لوگ اس کو خوشامد کر کے دیں، میں نے کہا واقعی تم خوب سمجھے۔

پھر میں نے کہا کہ تم کیوں انگریزی پڑھتے ہو؟ کہنے لگا ہم کیا کریں ابّا ہی پڑھواتے ہیں، میں نے اس کے والد سے کہا کہ تم نے ناحق اس اس لڑکے کو انگریزی میں ڈالا، اس کو تو عربی ہی سے مناسبت معلوم ہوتی ہے، پھر یہ واقعہ میں نے ان کو سنایا وہ بھی آخر اسی کے باپ تھے، کہنے لگے کہ اس کو عربی سے تو خود ہی مناسبت ہے اسلئے اس کو تو وہ خود حاصل کر لے گا، اور انگریزی سے اس کو مناسبت ہے نہیں سو وہ میں نے پڑھا دی، کیونکہ اس کو وہ خود حاصل نہ کرتا اور آج کل اس کی بھی ضرورت ہے، میں نے کہا کہ اس کو عربی سے آج تو مناسبت ہے مگر مدت تک انگریزی پڑھنے کے بعد یہ حالت نہیں رہے گی، مگر انہوں نے اس کو انگریزی ہی میں رکھا چنانچہ اب تک وہ انگریزی پڑھ رہا ہے، لیکن اب بھی اس میں ایک رگ ملانوں کی ہے، جس سے امید ہے کہ ان شاء اللہ ایک دن وہ ادھر ہی کھنچے گا۔

فرمایا: جو طلبہ درسیات سے فارغ ہونے کے بعد ذکر و شغل میں مشغول ہوتے ہیں ان میں دو قسم کے لوگ ہیں، بعض تو غیر مخلص ہیں جو جاہ وغیرہ کے طالب ہیں، اور بعض مخلص ہیں مگر مخلصین بھی حظوظ میں مبتلا ہیں، گو وہ حظوظ دنیوی نہ ہو لیکن ہیں، غیر مقصود اور جو طلبہ غیر مخلص ہیں ان کا تو پوچھنا کیا یہ تو ان کا ذکر تھا جو خوش استعداد نہیں کہ وہ زیادہ تر اپنی بد استعدادی ہی کی وجہ سے ذکر و شغل میں مشغول ہوتے ہیں، اور زیادت فی العلم سے کنارہ کشی کر لیتے ہیں اور جو خوش استعداد ہیں

ان کی انتہاء یہ ہے کہ وہ پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہوجاتے ہیں اور وہ اسی کو ضروری سمجھتے ہیں ان کی زیادت اسی میں منحصر ہے کہ درسیات ہی ساری عمر پڑھاتے رہیں پھر ان میں بھی بعض کا مقصود تو محض تنخواہ ہے اور بعض کا مقصود یہ ہے کہ ہم کو طلب علم کا ثواب ملے اور اس کے ساتھ تنخواہ بھی ملتی رہے کیونکہ ہر تنخواہ اجرت نہیں، بلکہ بعض تنخواہ حق احتباس بھی ہوتی ہے، جیسے بیوی کا نفقہ اور رزق القاضی وغیرہ۔

صرف تنخواہ پر یا دوسری جگہ پر زیادہ تنخواہ کی خاطر پڑھانے پر ثواب نہیں

فرمایا: جو مدرس تنخواہ لے کر پڑھا رہا ہے وہ یہ سوچے کہ اگر کسی جگہ سے زیادہ تنخواہ آجائے مثلاً یہاں سے پچیس روپے مل رہے ہیں دوسری جگہ سے پچاس پر ان کو بلایا جائے اور پچیس روپے میں بھی ان کا کام چل رہا ہے، مگر کام چلنے کے یہ معنیٰ نہیں کہ دس چھٹانک ہی روزانہ کھا سکتے ہوں اور دو روپے گز کا کپڑا پہن سکتے ہوں بلکہ مطلب یہ ہے کہ پچیس روپے میں تالم نہ ہو گو تنعم بھی نہ ہو نیز دوسری جگہ دین کا نفع بھی یہاں سے زیادہ نہ ہو پھر دیکھنا چاہیئے اس حالت میں دوسری جگہ دونی تنخواہ پر جاتا ہے یا نہیں، اگر نہیں جاتا ہے تو واقعی اس کی تنخواہ نفقہ ہے، اور اگر چلا گیا تو اس کی تنخواہ اجرت ہے، اور یہ کرایہ کا ٹٹو ہے، گو گناہ اس میں بھی نہیں متاخرین کا فتویٰ جواز پر ہو چکا ہے، مگر اس کو تعلیم وتدریس میں ثواب بھی کچھ نہیں کیونکہ اس کا مقصود محض تنخواہ ہے، اس حالت میں یہ تعلیم طاعت نہیں غایۃ مافی الباب ایک عمل مباح ہے، جس پر اجرت لینا متاخرین کے فتویٰ میں جائز ہے، گو کہ نفس تعلیم دین طاعت تھی، مگر چونکہ اس کی نیت تعلیم دین کی نہیں بلکہ مقصود اجرت ہے، اسلئے لکل امرئ مانوی کے قاعدہ سے یہ ثواب کا مستحق نہیں۔

البتہ اگر ایک جگہ تنخواہ اس درجہ قلیل ہو جس میں تنگی اور کلفت سے گزر ہوتا ہو یا گزر تو ہوجاتا

ہے مگر وہاں کوئی دوسری قسم کی تکلیف ہے جیسے باہمی رقابت اور تحاسد وتباغض وغیرہ یا اسی کے مثل کوئی اور کلفت ہو اس صورت میں دوسری جگہ چلا جانا مذموم نہیں، کیونکہ اس کا مقصود زیادہ تنخواہ نہیں، بلکہ رفع تالم مقصود ہے یا ایک جگہ تنخواہ بھی قلیل ہے اور دین کا کم بھی اس کے ہاتھ سے یہاں کم ہو رہا ہے اور دوسری جگہ تنخواہ بھی زیادہ ہے اور دین کا کام بھی وہاں اس کے ہاتھ سے زیادہ ہوگا اس صورت میں بھی دوسری جگہ جانے کا مضائقہ نہیں جب کہ مقصود یہ ہو کہ میں وہاں جا کر دین کا کام زیادہ کروں گا۔

خدا تعالیٰ سے معاملہ ہے اس میں نیت کو دیکھ کر خود فیصلہ کر لینا چاہئے لوگوں کے سامنے توجیہیں کر کے آگر آپ نے یہ ثابت کر دیا کہ ہماری تنخواہ نفقہ ہے اجرت نہیں تو خدا کے یہاں یہ توجیہیں کام نہ دیں گی۔

میں یہ کہہ رہا تھا جو لوگ خوش استعداد ہیں اور وہ درسیات سے فارغ ہونے کے بعد تعلیم وتدریس میں ہی لگے رہتے ہیں ان میں بھی سب کا مقصود زیادت فی العلم نہیں بلکہ بعض کو تو محض تنخواہ ہی مطلوب ہوتی ہے اور بعض کا مقصود طلبہ میں شہرت ہے، کہ تعلیم وتدریس میں نام ہو جائے اور عالم متبحر اور لائق مدرس مشہور ہو جائیں اور گو بعض اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جن کا مقصود علمی ترقی اور زیادت فی العلم ہے مگر ایسا شخص ایک ہی نکلے گا دس جماعتوں میں سے اور نادر کالعدم ہوتا ہے، اس لئے میرا مضمون پھر بھی قابل اہتمام رہا جس میں شکایت کر رہا ہوں کہ ہم لوگ زیادت فی العلم کو مطلوب نہیں سمجھتے اس لئے اس کے طالب بہت تھوڑے ہیں اور پھر یہ قلیل افراد بھی تعلیم زیادت فی العلم محض صورت کے اعتبار سے ہیں یعنی صورت علم میں زیادت کے طالب ہیں حقیقت علم میں زیادت طالب یہ بھی نہیں کیونکہ حقیقت علم سے تو عموماً اذہان ہی خالی ہیں پھر اس کے طالب کیونکر ہوں۔

اب میں حقیقت علم اول تعین کر دوں پھر آیت کو اس پر منطبق کر دوں گا کہ اس سے حقیقت علم میں زیادت کا مطلوب ہونا کس طرح مفہوم ہوتا ہے، لیکن اس سے پہلے میں اجمالاً زیادت فی العلم

کے مقصود ہونے کی دلیل بیان کرتا ہوں حق تعالیٰ سورۃ طٰہ میں فرماتے ہیں و:وقل رب زدنی علما۔اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امر ہے کہ آپ زیادت فی العلم کیلئے ہم سے دعا کیجئے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کیلئے دعا کا امر ہے، تو اس سے زیادت فی العلم کا مطلوب ہونا یقیناً ثابت ہو گیا اور ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم سب سے بڑھا ہوا ہے، جب آپ کو بھی طلب زیادت کا امر ہے تو ہم جیسوں کو تو کیوں نہ ہوگا جن کا علم حضور کے علم سے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتا۔

فقیہ واحد سے کیا مراد ہے؟

ایک فقیہ شیطان پر ہزاروں عابدوں سے زیادہ گراں ہیں، اس سے درسی فقیہ مراد نہیں ہے، کیونکہ محض کتابیں پڑھنے سے شیطان کی چالیں سمجھ میں نہیں آتیں، بلکہ وہ معرفت ہے جو تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے، جس سے عارف کو دین کی سمجھ بوجھ ایسی کامل ہوجاتی ہے کہ شیطان کے تمام تار و پود کو توڑ دیتا ہے، شیطان بعض دفعہ دنیا کو دین کی صورت میں ظاہر کرتا ہے عارف اس دھوکہ کو سمجھ کر لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے جس سے لوگ دھوکہ سے بچ جاتے ہیں، اس لئے وہ شیطان پر گراں ہیں۔

یہ علم حقیقی کتابیں پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو صحابہ کرام کے ان پڑھ ہونے پر فخر فرماتے ہیں۔نحن امة امیون لانکتب ولانحسب، بتلائیے صحابہ نے کیا لکھا پڑھا تھا؟ کچھ بھی نہیں بلکہ بعض تو ان میں دستخط بھی نہ کر سکتے تھے اور بعض صحابہ فتویٰ کو تابعی کے حوالہ کر دیتے تھے، مگر بایں ہمہ علوم میں وہ سب سے افضل تھے، چنانچہ عبداللہ بن مسعود صحابہ کی شان میں فرماتے ہیں: اعمقهم علما۔کہ امت میں سب سے بڑھ کر صحابہ کا علم عمیق ہے، آخر وہ کونسا علم تھا کیا درسی یا کتابی علم تھا ہرگز نہیں بلکہ علم وہی فہم قرآن تھا جو حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی برکت سے ان کو عطا فرمایا تھا جس میں ان کے تقویٰ سے ترقی ہوتی رہی تھی اور یہی وہ علم ہے جس کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

شکوت الی وکیع سؤ حفظی   فاوصانی الیٰ ترک المعاصی

آخروہ کونسا علم ہے جس میں معاصی حائل ہیں کیا وہ کتابی علم ہیں، ہرگز نہیں، کتابی علم تو جس کا حافظہ قوی ہوگا اس کو زیادہ یاد رہے گا، ایک فاسق فاجر کو بڑے سے بڑے متقی سے زیادہ قرآن حفظ ہوسکتا ہے، بلکہ کافر کو بھی ممکن ہے کہ ہم سے زیادہ مسائل وحدیث یاد ہوجائیں، چنانچہ بیروت میں بعض عیسائی ہماری حدیث اور فقہ کے زیادہ جاننے والے ہیں اور جرمن کا ایک مدرسہ کا حال ایک شخص نے کسی سیاح سے نقل کیا ہے وہاں علوم اسلامیہ کی تعلیم ہوتی ہے کسی کمرہ کا نام دارالفقہ ہے کسی کا نام دارالحدیث ہے اور وہاں بخاری، ہدایہ سب کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اور پڑھنے والے پڑھانے والے سب عیسائی کافر ہیں اور وہ لوگ اختلافیات کو بہت شرح وبسط کے ساتھ بیان کرتے ہیں کیونکہ جرمن میں کتب خانہ بڑا ہے اس میں ہماری نایاب کتابیں اس قدر ہیں کہ ہم نے ان کتابوں کا نام بھی نہیں سنا۔

توامام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد کتابی علم میں سو حفظ کی شکایت نہیں، امام وکیع کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرے علم میں قلت حفظ کی شکایت کررہے تھے، جس میں معاصی میں دخل تھا، یہی ہے حقیقت علم اور یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے مجتہدین، مجتہد ہوئے ہیں، ورنہ وسعت نظر اور کثرت معلومات میں تو ممکن ہے کہ بعض مقلدین مجتہدین سے بڑھے ہوئے ہوں، بس میں یہی کہتا ہوں کہ حقیقت علم جو تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے الفاظ سے آپ اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے، پس تقویٰ اختیار کرکے دیکھ لو۔

اپنی اصلاح کا ایک آسان اور نہایت انوکھا طریقہ

میں ایک حقیقت بیان کرتا ہوں کہ جب مجھے کسی علم میں کم ہمتی ہوتی ہے تو میں اس کے متعلق

مجمع عام میں ایک عام مضمون بیان کردیتا ہوں اس سے خود میری ہمت بھی قوی ہوجاتی ہے،اس میں راز یہ ہے کہ جس عمل کے متعلق عام بیان ہوتا ہے تو قاعدہ ہے کہ بیان میں اس کا پورا اہتمام واعتناء ہوتا ہے،مخاطبین پر اچھی طرح اس کی ضرورت ظاہر کی جاتی ہے تو طبعاً متکلم کے دل میں اس سے یہ اثر پیدا ہوتا ہے کہ جس بات کا ہم دوسروں کو تاکید کے ساتھ امر کررہے ہیں سب سے پہلے خود بھی اس پر عمل کرنا چاہئے اس سے فی الجملہ ہمت بڑھتی ہے، پھر مخاطبین میں کوئی بزرگ اور نیک آدمی بھی ہوتا ہے اگر بیان سے اس کا دل خوش ہوگیا اور اس نے دل سے دعا دے دی اور وہ قبول ہوگئی یا کسی کو اس بیان سے نفع ہوگیا اور اس طور پر بیان کرنے والا ہدایت کا سبب ہوگیا، جو ایک بڑی طاعت ہے، تو اس پر خدا تعالیٰ متکلم کے ساتھ بھی رحمت کا معاملہ فرمادیتے ہیں، کہ اس نے ہمارے بندوں کو ہماری طرف متوجہ کیا ہے تو اس کو بھی محروم نہ رکھا جائے یہ سب اسباب خود واعظ کو نفع حاصل ہوجانے کے ہوجاتے ہیں، یہ بات میں نے اس لئے بیان کردی تاکہ دوسرے بھی اس طریق اصلاح سے کام لے کہ جس عمل کی ان کو ہمت نہ ہوتی اس کے متعلق مجمع عام میں کچھ بیان کردیا کریں تجربہ کرکے دیکھیں ان شاءاللہ ضرور ہمت پیدا ہوجائے گی۔

اہل علم میں تو یہ مفسدہ پیدا ہوا کہ وہ اس آیت سے علم کی فضیلت ثابت کرکے رہ جاتے ہیں کہ دیکھو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے علماء کی تعریف فرمائی ہے تو علم کی بڑی فضیلت ہے اور ہم کو علم حاصل ہے اس لئے ہم بھی صاحب فضیلت ہوئے،مگر جو اصل منشا اس فضیلت کا تھا یعنی خشیت اس کو بیان نہیں کرتے نہ تو دوسروں کو اس کا امر کرتے ہیں کہ خشیت حاصل کرو اور نہ خود اس کا اہتمام کرتے ہیں بلکہ اس کی جڑیں کھوکھلی کرتے ہیں۔

چنانچہ بکثرت اہل ظاہر علم باطن کو جس سے خشیت حاصل ہوتی ہے فضول اور لغوی سمجھتے ہیں ،اور جو لوگ اس کی تعلیم و تعلم میں مشغول ہیں ان پر اعتراضات کرتے ہیں بلکہ ستم یہ ہے کہ بعض تو عدم خشیت کی تعلیم دیتے ہیں گو اس کا عنوان دوسرا ہو،مگر معنون یہی ہوتا ہے۔

چنانچہ ایک زمانہ میں کفار کے ساتھ اتحاد کر کے جب مسلمانوں نے کفریات ومعاصی کا ارتکاب کیا اور بعض لوگوں نے اس پر تنبیہ کی تو یہ جواب دیا گیا کہ یہ وقت مسائل حلال وحرام بیان کرنے کا نہیں ہے، یہ وقت کام کرنے کا ہے، نہ معلوم مسلمانوں کا کونسا کام ہے جس میں ان کو حلال وحرام معلوم کرنے کی ضرورت نہیں، اس جواب میں گویا ان لوگوں نے قریب بصراحت مسلمانوں کو عدم خشیت کی تعلیم دی ہے، تو جو چیز فضیلت علم کا منشا ہے یہ اسی کی جڑ کاٹتے ہیں، بس وہ مثال ہوگی ؎

یکے بر سر شاخ و بُن مے بُرید

خداوندِ بستان نگاہ کرد و دید

یعنی ایک شخص شاخ کے تنہ پر بیٹھا ہوا اس کی جڑ کاٹ رہا تھا مالک باغ نے نگاہ ڈالی اور دیکھا ۔خشیت کے ساتھ تو یہ معاملہ اور پھر بھی یہ خوش ہیں کہ ہم اہل علم ہیں جن کی بابت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔

خشیت کی علامت

فرمایا: پس خشیت کے متعلق بھی حدیث وقرآن سے معلوم کرنا چاہیے کہ شریعت نے حصول خشیت کی علامت کیا بتلائی ہے سنئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **اسئلک من خشیتک ماتحول بہ بینی و بین معاصیک**۔ میں تجھ سے اتنا خوف کی درخواست کرتا ہوں جو میرے اور میرے معاصی کے درمیان حائل ہو جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خشیت مطلوبہ وہ ہے جس سے گناہوں میں حیلوت ہو جائے پس جس کو یہ حیلوت حاصل نہیں اسے خشیت مطلوبہ حاصل نہیں، اور جب خشیت نہیں تو اس کے پاس علم حاصل ہونے کی بھی کوئی دلیل نہیں جس پر وہ علم کا دعوی کر سکے، یعنی علم مطلوب گو کتابی علم حاصل ہو، مگر شریعت میں جو علم مطلوب ہے وہ یہ کتابی محض نہیں ہے، بلکہ علم مطلوب وہ ہے جو دل میں اتر جائے، اور اس علم کے لیے خشیت لازم ہے۔

مدرسہ دیوبند کا کوئی تعلیم یافتہ روزی سے محروم نہیں ہوگا

جب مدرسہ دیوبند کی بنیاد قائم ہوئی تو بعض لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ کالج علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تو سرکاری عہدہ حاصل کریں گے، یہ دیوبند کے پڑھے ہوئے کیا کر کے کھائیں گے، یہ اعتراض سن کر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے حق تعالیٰ سے دعا کی کہ مدرسہ دیوبند کے طلبہ کے واسطے معاش کا کچھ انتظام کر دیا جائے، وہاں سے بذریعہ الہام کے جواب میں ارشاد ہوا کہ اس مدرسہ کا کوئی تعلیم یافتہ کم ازکم دس روپے ماہوار سے محروم نہ رہے گا، اتنی آمدنی اس کو ضرور ملے گی۔

مولانا بہت خوش ہوئے اور اپنے مجمع میں اس الہام کو بیان فرمایا کہ حق تعالی نے اس مدرسہ کے طلبہ کے لیے کم ازکم دس روپے ماہوار کا ذمہ لے لیا ہے بس اب یہاں کا پڑھا ہوا بھوکا نہ رہے گا ،اس کو سن کر ایک مولوی صاحب نے کہا کہ واہ مولانا سستے ہی راضی ہو گئے۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر بھی شاید کسی کو شبہ ہو کہ آپ بھی سستے ہی راضی ہو گئے کہ بس ہمارے لئے علم ہے اور جاہلوں کے لیے مال ہے ہم اس پر راضی ہیں، تو صاحب جس شخص کو علم کی قدر معلوم ہے وہ تو اس تقسیم پر ضرور ہی راضی ہوگا، کیونکہ یہ ایسی دولت ہے جس کے سامنے ہفت اقلیم بھی کوئی چیز نہیں ۔

مبیں حقیر گدایان عشق را کیں قوم
شہانِ بے کمر وخسروان بے کلہ اند

(گدایان عشق کو کمزور نہ سمجھو کیونکہ یہ لوگ شاہانِ بے تخت و تاج ہیں)

میں سچ کہتا ہوں کہ علم میں علاوہ رضاء حق کے لذت بھی ایسی ہے کہ جب کوئی علم جدید حاصل ہوتا ہے تو ایسی مسرت حاصل ہوتی ہے کہ سلاطین کو عمر بھر بھی نصیب نہیں ہوتی اس لیے کہتے ہیں۔

در سفالیں کاسئہ رنداں بخواری منگرید

کایں حریفاں خدمت جام جہاں بیں کردہ اند

مٹی کے پیالہ میں رندوں کو ذلت سے مت دیکھو، اس لیے کہ انہوں نے جام جہاں بیں کی خدمت کی ہے۔

اگر کسی عالم کو جماعت میں جانا ہو یا تبلیغ کے کام کے لئے تو ان کے اخراجات بھی پورے کرو

فرمایا: تبلیغ کے بارے میں عام طور سے اخباروں میں لکھا جاتا ہے اور زبان سے بھی کہا جاتا ہے کہ ہمارے علماء کی غفلت کا نتیجہ ہے کہ آج اتنے مسلمان مرتد ہو گئے اور اتنے مسلمان احکام سے بالکل ناواقف ہیں، علماء نے ان کی بالکل خبر نہیں لی، اور جب کہا جاتا ہے کہ واقعی مسلمانوں کی خبر لینا چاہیے تو ہر شخص یہ کہہ کر الگ ہو جاتا ہے کہ یہ کام مولویوں کا ہے، میں کہتا ہوں کہ جیسے ان مسلمانوں سے بے خبری کا الزام آپ نے مولویوں پر رکھا ہے کچھ آپ کا بھی اس میں قصور ہے یا نہیں، صاحب مولوی اتنا ہی کر سکتے ہیں کہ ان لوگوں کو جا کر سمجھا دیں، مگر یہ تو بتلایئے کہ مولوی جائے کیونکر ریل کا کرایہ کہاں سے لائیں اور جتنے دن تک تبلیغ میں رہیں اس زمانہ کے لئے اہل وعیال کو خرچ کہاں سے دیں۔

تبلیغ کا قاعدہ یہ ہے

رہا تبلیغ کا قاعدہ اور طریقہ یہ علماء کی رائے سے ہونا چاہئے، تم روپیہ جمع کر کے علماء سے طریقہ پوچھو، اور مبلغ انہیں کی رائے سے مقرر کرو، اس مشورہ کے لئے کمیٹی بناؤ، علماء کو اس میں مشورہ اور رائے دینے سے انکار نہ ہوگا، اور میں علماء سے بھی کہتا ہوں کہ وہ اس سے انکار نہ کریں، اس طرح اللہ کا نام لے کر شروع کریں انشاء اللہ بہت جلد کامیابی ہوگی، گو اول اول معمولی دقتیں بھی پیش آئیں گی، مگر دقت سے نہ گھبرائے پیادہ سفر کرنے کی ضرورت نہیں۔

سواری میں سفر کرے جہاں ریل ہو وہاں سے ریل سے پہنچیں، ورنہ گاڑی بہیلی سے جائیں باقی فٹن اور موٹر کی ضرورت نہیں، نہ لیمن اور برف کی ضرورت ہے، مبلغوں کو ان فضولیات میں قوم کا روپیہ برباد نہ کرنا چاہیے آپ کا تو یہ رنگ ہونا چاہئے ۔

اے دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی
بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

جب قرآن وحدیث موجود ہے تو ظاہری آب وتاب کی کیا ضرورت

فرمایا: جب ہمارے پاس قرآن وحدیث ہے اور اس کی تعلیمات کا سرمایہ موجود ہے تو ہم کو کسی ظاہری آب وتاب کی کیا ضرورت ہے خوب کہا ہے ۔

زعشق ناتمام ما جمالِ یار مستغنی ست
بآب و رنگ خال وخط چہ حاجت روئے زیبارا

ہمیں لیکچروں کا طرز سیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں اور ہم تو صاف کہتے ہیں کہ جو شخص لیکچر کے طرز کو اختیار کرتا ہے وہ اول ہمارے دل میں ناپسندیدگی کا بیج بوتا ہے، ہم کو تو وہی طرز پسند ہے جس کی طرف حدیث شریف میں اشارہ ہے کہ:

نَحنُ اُمَّةٌ اُمِّيَّةٌ ۔

امیۃ کے معنی سادگی کے ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل مرضی یہ ہے کہ آپؐ کی امت نہایت سادہ رہے، اسی لئے آپ نے لفظ نحن فرما کر ساری امت کو شامل فرما دیا، یہی روح ہے، اتباع نبوی کی کہ ہر بات میں بالکل سادگی ہو امیہ اُمّ کی طرف منسوب ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ہماری زندگی ایسے ہی رہے جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے بعد بچہ

کی زندگی ہوتی ہے کہ اس کی کوئی حرکت بھی تصنع اور بناوٹ کی نہیں ہوتی، بلکہ ہر حرکت میں بے ساختگی ہوتی ہے اور بچوں کی یہی صفت ہے جس کی وجہ سے ہر شخص کو ان سے محبت ہوتی ہے۔ طبعاً بچوں سے جو کہ نجاست کے پوٹ ہوتے ہیں بہت نفرت ہونی چاہیے تھی اور یہی بے ساختگی ہے کہ جن بوڑھوں میں یہ پائی جاتی ہے آج ہماری آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے حسین ان پر جان فدا کرتے ہیں تو اصلی مفہوم امیۃ کا یہی بے ساختگی ہے اور نہ لکھنا پڑھنا جو امیۃ کا مشہور مفہوم ہے یہ بھی اس کا ایک شعبہ ہے، تو بیان میں بھی بناوٹ اور تکلف بالکل نہ ہونا چاہیے اور تلبیس اور تلمیع سے بالکل پاک ہونا چاہیے، البتہ بیان میں سادگی کے ساتھ صفائی ہونا ضروری ہے، لیکن اب یہ طرز بالکل چھوٹتا جاتا ہے۔

ہماری اصلی زبان عربی ہے

اگر کوئی کہے کہ ہم تو مادری زبان کو اصل سمجھتے ہیں تو میں کہوں گا کہ جب نسب باپ سے ہے تو کیوں باپ کی زبان کو اپنی اصلی زبان نہ کہا جائے۔

غرض جب ہماری اپنی زبان عربی ہے تو اگر ہم کو اردو میں آمیزش ہی کرنا تھا تو اس بنا پر زیادہ سے زیادہ ہم یہ کرتے کہ اردو زبان کو عربی کے تابع کر دیتے، مگر تعجب یہ ہے کہ ہم نے انگریزی کے تابع کیا کہ جس کی بدولت اردو زبان قریب قریب اردو ہونے ہی سے نکل گئی، اصل اردو زبان وہ ہے جیسے چہار درویش یا اردوی معلیٰ غالب کی۔ اور اگر آمیزش ہو تو عربی کی آمیزش ہونا چاہئے۔

اردو میں انگریزی کے الفاظ کا استعمال کرنا تشبہ میں داخل ہے

فرمایا: خلاصہ یہ ہے کہ ہماری زبان میں جو انگریزی کے خلط سے ایک جدت پیدا ہوگئی ہے وہ ضرور قابل ترک ہے اور اس جدید طرز میں علاوہ نقص مذکور کے ایک بڑا عیب یہ بھی ہے کہ تلبیس زیادہ ہوسکتی ہے، اور پرانے طرز میں یہ بات نہیں ہے اور ایک شرعی پہلو اس میں یہ بھی ہے کہ اس

کو اختیار کرنا ایک فاسق قوم کے مشابہ ہونا ہے اور یہ مشابہت حرام ہے حدیث شریف میں ہے۔ **من تشبہ بقوم فھو منھم**۔

کیونکہ تشبیہ عام ہے لباس اور طرز سب چیزوں کو، اور گو ممکن ہے کہ اس پر کوئی شخص مولویوں کو متعصب کہے لیکن ہم کو اس کی اصلاً پروا نہیں کیونکہ ہم ایک موقع پر ان کے مسلم دلائل سے اس کا بُرا ہونا ثابت کر چکے ہیں۔

چوتھی صدی کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا

فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے اجمال کو بیان فرمایا اور اگر کہیں حدیث میں بھی اخفا رہا تو اس کو حضرات مجتہدین نے ظاہر فرمادیا حتیٰ کہ **اکملت لکم دینکم**۔ پوری طرح ظاہر ہو گیا اور اسی ظہور اکمال کے بعد پھر چونکہ کوئی حاجت باقی نہیں رہی، بحکمت الٰہیہ چوتھی صدی کے بعد قوت اجتہادیہ کا بھی خاتمہ ہو گیا، کیونکہ اب اس کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی تھی۔

و آتکم من کل ماسالتموہ۔ بھی اسی طرف مشیر ہے تو اسی طرح جب تک حضرات مجتہدین کی ضرورت تھی، اجتہادی قوت پیدا ہوتی رہی اور جب یہ ضرورت پوری ہو چکی یہ قوت بھی ختم ہو گئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے کی رعایت کا خیال کس قدر رکھا اس سے عبرت لیجئے

فرمایا: نسائی شریف میں حدیث ہے کہ ایک مرتبہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آرام فرماتے تھے کہ رات کو اٹھنے کی ضرورت ہوئی، تو حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ **قَامَ رَوَیْداً** یعنی نہایت آہستہ اٹھے، **وانتعل رویداً**، اور جوتے نہایت آہستہ سے پہنے، **وفتح الباب رویداً**، اور نہایت آہستہ سے دروازہ کھولا، **وخرج رویداً**، اور آہستہ سے باہر تشریف لے گئے، غرض کئی جگہ لفظ، رویداً، آیا ہے۔

کبھی دستی فتوی کا جواب نہ دیں

فرمایا: ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ اسی طرح ایک شخص کو میں نے ایک مسئلہ فرائض کا جواب لکھ کر دیا جب وہ لے کر چلا گیا تو یاد آیا کہ جواب غلط لکھا گیا، سخت تشویش ہوئی اس شخص کو تلاش کرایا تو نہ ملا، اور یہ پوچھا نہ تھا کہ کدھر جاؤ گے، آخر خدا تعالی سے دعا کی کہ یا الٰہی میرے اختیار سے تو یہ خارج ہو چکا ہے، اب آپ کے اختیار کی بات ہے، خدا تعالی نے دعا قبول فرمائی، پندرہ منٹ نہ گزرے تھے کہ وہ شخص واپس آیا اور کہنے لگا کہ مولوی صاحب آپ نے مہر تو کی ہی نہیں، مجھے بڑی مسرت ہوئی میں نے کہا کہ بھائی لے آؤ اس سے لیکر میں نے جواب کو صحیح کر دیا اور اس سے کہا کہ بھائی مہر تو میرے پاس نہیں ہے اس وقت یہ تو خدا تعالی نے میری دعا قبول فرما کر تجھے واپس بھیجا ہے کیونکہ مسئلے میں ایک غلطی ہوگئی تھی اس واقعہ کے بعد سے میں نے عہد کرلیا کبھی دستی فتوی کا جواب نہیں دوں گا۔

فرمایا: اب میں نے یہ معاملہ کر رکھا ہے کہ جب کوئی شخص دستی فتویٰ لاتا ہے تو اسے کہتا ہوں کہ اپنا پتہ لکھ کر اور دو پیسے کا ٹکٹ دے کر رکھ جاؤ میں اطمینان سے جواب لکھ کر تمہارے پاس ڈاک میں بھیج دوں گا۔

عالم کون ہے؟

حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا: عالم وہ ہے جسے خشیت حاصل ہو اور جسے خشیت حاصل نہیں وہ عالم نہیں، اور خشیت کی علامت یہ ہے کہ گناہوں سے باز آجائے اور احکام الٰہی کا متبع ہو۔

فرمایا: عالم یہ سمجھتا ہے کہ میں صاحب خشیت ہوں، جب چاہوں گا خشیت حاصل کرلوں گا ،مگر حاصل ایک دن بھی نہ کی تو وہ عالم علماء کی صف میں آجائیگا کیا؟ اگر آجائیگا تو پھر گناہ سے کیوں نہیں بچتا پھر اگر تواضع موجود ہے تو دوسرے کے کہنے سے مرچیں کیوں لگتی ہیں؟ پھر اس حالت

میں اس کا شیخ بن جانا ایسا ہے جیسے ایک شخص میں قوت نکاح موجود ہو اور وہ کہے کہ میں جب چاہوں گا نکاح کر کے بچہ جنوالوں گا، اس لئے مجھے اب ہی سے باپ کہو، تو بھلا ابھی سے اس کو باپ کیونکر کہا جائے، اس کو چاہئے اول نکاح کرے پھر بیوی کے پاس جائے جب حمل قرار پا کر بچہ پیدا ہو جائے گا، اس دن خود ہی باپ ہو جائے گا، کسی کے کہنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

علماء کرام آپ ہرگز چندہ نہ کریں! بلکہ دوسروں سے کرائیں

حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا: یہ نہیں ہوسکتا کہ مولوی ہی کام کریں اور وہی روپیہ کا انتظام کریں، علماء کو تو کسی کام کیلئے چندہ بھی نہ کرنا چاہئے، اے علماء! خدا کیلئے تم چندہ کرنا چھوڑ دو، تمہارے منہ سے تو چندہ کا لفظ اچھا لگتا ہی نہیں، بس تمہاری زبان سے یہ اچھا لگتا ہے۔

میں تم سے اس تبلیغ پر مال نہیں مانگتا ہوں اور نہ اس پر تم سے اجرت طلب کرتا ہوں، میری اجرت تو اللہ رب العالمین ہی کے ذمہ ہے۔

لاأَسأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالاًوَ مَا اَسْــلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍاِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اس چندہ کی بدولت لوگ علماء سے بھاگنے لگے، ان کی صورت سے بھی ڈرنے لگے، چنانچہ ایک سب جج صاحب جن کا لباس مولویانہ ہوتا تھا، کسی نئی جگہ بدل کر گئے، اور محض خوش اخلاقی کے سبب کسی رئیس سے ملنے گئے تو وہ ان کو دیکھ کر گھر میں گھس گئے، بعد میں نوکر نے اطلاع دی کہ سب جج صاحب آپ سے ملنے کو آئے ہیں، تب وہ باہر آئے اور کہا معاف فرمائے گا، میں آپ کے لباس سے یہ سمجھا تھا کہ کوئی مولوی صاحب چندہ مانگنے آئے ہیں۔

واقعی آج کل کوئی مولوی کسی رئیس سے ملنے جاتا ہے تو اس کو اول یہ خیال آتا ہے کہ شاید چندہ کا سوال ہوگا، اس لئے میں کہتا ہوں کہ علماء یہ کام ہرگز نہ کریں، بلکہ رؤساء وعوام خود چندہ کریں، اور مولویوں سے دین کا کام لیں۔

مگر آج کل تو علماء کی مثال ڈوم کے ہاتھی جیسی ہورہی ہے کہ، اکبر نے ایک ڈوم کو انعام میں ہاتھی دے دیا تھا، وہ بڑا گھبرایا کہ اس کا خرچ میں کہاں سے لاؤں گا، آخر ایک دن اکبر کی سواری نکلنے والی تھی آپ نے ہاتھی کے گلے میں ڈھول ڈال کر راستہ میں چھوڑ دیا، اکبر نے دیکھا کہ شاہی ہاتھی گلے میں ڈھول ڈالے ہوئے پھر رہا ہے، پوچھا یہ کیا قصہ ہے؟ ڈوم کو بُلایا گیا کہ تم نے اس ہاتھی کے گلے میں ڈھول کیوں ڈالا ہے؟ کہا حضور! آپ نے مجھے ہاتھی تو دے دیا، اب میں اسے کھاتا پلاتا کہاں سے؟ میں نے اس سے کہا کہ بھائی میں تو گا بجا کر کھاتا ہوں تو بھی گلے میں ڈھول ڈال کر گا بجا کر اپنا پیٹ بھر لے، اکبر ہنس پڑا اور ڈوم کو اس کی امداد کیلئے بھی عطا فرمایا۔

یہی حال آج کل مولویوں کا ہے، کہ لوگوں نے ان کے گلے میں ڈھول ڈال دیا ہے، کہ جاؤ گاؤ بجاؤ اور روپیہ جمع کر کے خود ہی سب کام کرو، یاد رکھو! ایک جماعت سے دو کام نہیں ہو سکتے، کام کا طریقہ یہی ہے کہ روپیہ تم خود جمع کرو اور مولویوں سے صرف دین کا کام لو، بلکہ روپیہ جمع کر کے اپنے ہی پاس رکھو، علماء کو دو بھی نہیں، کیونکہ آج کل بہت لوگ ایسے بھی ہیں جو واقع میں مولوی نہیں تھے، مگر مولویوں میں جا گھسے تھے، انہوں نے مسلمانوں کے چندوں میں بہت خیانتیں کی ہیں، جس سے مولوی بدنام ہو گئے۔

اس لئے میری رائے یہ ہے کہ رؤساء چندہ کر کے اپنے ہی پاس رکھیں مولویوں کو نہ دیں، کوینکہ اس سے علماء پر دھبّہ آتا ہے، تو کیا آپ کو یہ گوارا ہے کہ آپ کے علماء بدنام ہوں، ہرگز نہیں، آپ کو تو چاہیئے کہ اگر علماء چندہ کرنا بھی چاہیں تو آپ ان کو خود روکیں کہ یہ کام آپ کے مناسب نہیں، یہ کام ہم خود کریں گے۔

سحر، ساحرین، جنات اور شیاطین سے نجات کا مجرب نسخہ

سلسلہ کے تمام حضرات اس مضمون کو بار بار پڑھ کر حرزِ جان بنالیں اور پورا پورا استفادہ کریں۔

﴿حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نہایت قیمتی ملفوظات﴾

﴿جنات کیسے بھاگتے ہیں؟﴾

فرمایا: سالک طریقت کی پیشانی کے نور سے مومن جنات گرویدہ و دیگر جنات و شیاطین بھاگ جاتے ہیں، یہ نور ازلی ہوتا ہے، ہر پریشانی میں موجود ہوتا ہے، لیکن مستور رہتا ہے، نفس کی کدورت کی جھلی اس نور کو محجوب کئے ہوتی ہے۔

نفس جب کدورت سے پاک ہوتا ہے تو یہ نور منور ہوجاتا ہے، جگمگا اٹھتا ہے، ورنہ کسی اور طرح یہ حجاب نہیں اٹھ سکتا، بھاویں سوسو حیلے کرو، قرآن کریم کی تلاوت کے نور کا جلال جنات وشیاطین کو جلادیتا ہے، کوئی بھی تاب نہیں لاسکتا۔

﴿قرآن شریف شیطان کو کیسے جلاتا ہے﴾

فرمایا: سالک جب قرآن شریف کی تلاوت میں محو ہوتا ہے قرآن مجید کے نور کے جلال سے ہمزات شیاطین لاغر نحیف اور بے بس ہوکر توبہ توبہ کرنے لگتے ہیں، قرآن کریم کی تلاوت کے نور کا جلال شیطان کو جلادیتا ہے، تلاوت قرآن، نماز، ذکر ان تینوں میں ہر مرض سے کلی شفاء ہے، ان تینوں کی کثرت مساوی ہو یہی سلف صالحین کا نسخۂ کیمیا ہے۔

شیطان سے بچنے کا ہتھیار

فرمایا: دیکھئے بیت اللہ، اللہ تعالی کا گھر ہے ابرہہ نے چاہا تھا کہ اس گھر کے اوپر قبضہ

جمائے، اللہ تعالی نے ابابیلوں کو مسلط کر دیا، انہوں نے کنکریاں مار مار کر اس کے پورے لشکر کو کھائے ہوئے بھس کی طرح بنا دیا، بالکل اسی طرح انسان کا دل اللہ تعالی کا گھر ہے، اگر شیطان اس کی طرف قدم بڑھانا چاہے تو آپ لا الہ الا اللہ کی ضربوں سے اور اللہ اللہ کے الفاظ سے اس کے اوپر پتھروں کی بوچھاڑ کیجئے، پھر دیکھئے کہ اللہ آپ کو شیطان سے محفوظ فرما لیں گے اور قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ۔ (سورہ الاعراف، آیت: 201)

ترجمہ: بلاشبہ جنہوں نے تقوی اختیار کیا جب شیطان کی طرف سے کوئی خیال بھی ان کو چھوتا ہے تو وہ اللہ کا ذکر کر لیتے ہیں تو ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔



شجرہ : سلسلۂ چشتیہ منظومہ: حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

سلاسل اربعہ کے مشائخ کا مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ مشائخ کا شجرہ انفرادی اور اجتماعی طور پر پڑھنے سے مصائب دور، مسائل حل اور مقاصد پورے ہوتے ہیں، اسلئے باجازت شیخ اس کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

(حضرت مولانا) **محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی**

خلیفہ ومجاز بیعت

حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم ادریس حبان رحیمی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ ومجاز: حضرت حاذق الامت مولانا ذکی الدین صاحب پرنامبٹیؒ

خلیفہ ومجاز: مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلالآبادیؒ

خلیفہ ومجاز: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حمد ہے سب تیری ذات کبریا کیواسطے
اوردر ودونعت ختم الانبیاء کیو اسطے
اورسب اصحاب وآل مجتبی کے واسطے
رحم کر مجھ پر الہی اولیاء کے کے واسطے
بالخصوص ان اولیائے باصفا کے واسطے
مولوی اشرف علی شمس الہدی کے واسطے
حاجی امداد اللہ ذو العطا کے واسطے
حاجی عبدالرحیم اہل غزا کے واسطے

شیخ عبدالباری شہِ بے ریا کے واسطے
شاہ عبدالہادی پیر ہدے کے واسطے
شاہ عضدالدین عزیز دوسرا کے واسطے
شہ محمد اور محمدی اتقیا کے واسطے
شہ محب اللہ شیخ باصفا کے واسطے
بوسعید اسد اہل ورا کے واسطے
نشہ نظام الدین بلخی مقتدا کے واسطے
شہ جلال الدین جلیل اصفیا کیواسطے
عبد قدوس شہ صدق وصفا کیواسطے
اے خدا شیخ محمد راہنما کے واسطے
شیخ احمد عارفِ صاحب عطاء کیواسطے
احمد عبدالحق شہ ملکِ بقا کیواسطے
شہ جلال الدین کبیر اولیاء کے واسطے
شیخ شمس الدین ترک باضیا کیواسطے
شیخ علاالدین صابر بارضا کیواسطے
شہ فریدالدین شکر گنج بقا کے واسطے
خواجہ قطب الدین مقتول دلا کیواسطے
شہ معین الدین حبیب کبریاء کے واسطے
خواجہ عثمان با شرم وحیا کے واسطے
خواجۂ مودود چشتی پارسا کے واسطے
شاہ بویوسف شہ شاہ وگدا کیواسطے
بومحمد محترم شاہِ وِلا کے واسطے

احمد ابدال چشتی باسخا کے وا سطے
شیخ ابو اسحاق شامی خوش ادا کیواسطے
خواجہ ممشاد علوی بوالعلا کیواسطے
بوہبیرہ شاہ بصری پیشوا کیواسطے
شیخ حذیفہ مرعشی شاہِ صفا کیواسطے
شیخ ابراہیم ادہم بادشاہ کیواسطے
شیخ حسن بصری امام اولیاء کیواسطے
ہا دی عالم علی شیر خدا کیواسطے
سرور عالم محمد مصطفے کے واسطے
یاالٰہی اپنی ذاتِ کبریا کے واسطے
یاحق اپنے عاشقان باوفا کیو اسطے
یارب اپنے رحم واحسان وعطا کیواسطے
کررہائی کا سبب اس مبتلا کیو اسطے
کون ہے تیرے سوا مجھ بےنوا کیواسطے
ہے عبادت کا سہارا عابدوں کیو اسطے
ہے عصائے آہ مجھ بے دست وپا کیواسطے
بخش وہ نعمت جو کام آوے سدا کیواسطے
اپنے لطف ورحمت بے انتہا کیواسطے



معمولات

صبح و شام

معمولات اور ان کی تعداد کم ہوں یا زیادہ مشائخ اپنے مریدین ومتوسلین کو ان کے حسب احوال ارشاد فرماتے ہیں۔ راقم السطور مندرجہ ذیل طریقے پر سالکین طریقت و عاشقان حق کی رہنمائی کا ادنی فریضہ انجام دیتا ہے۔

﴿طبقۂ اولیٰ﴾

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت حکیم الامتؒ کے بعض ذاتی معمولات یہ تھے ۔تہجد کے بعد آپ اس طرح معمولات کو شروع فرماتے:

أَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِي عَنْ غَيْرِكَ وَنَوِّرْ قَلْبِي بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ ________ 3،بار

أَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ إِلَيْهِ ________ 100 بار

درود شریف۔ ________ 100 بار

لَا إِلٰهَ إِلَّا الله۔ ________ 200 بار

إِلَّا الله۔ ________ 400, بار

أَللهُ الله۔ ________ 600, بار

أَللهُ۔ ________ 100 بار

تلاوت کلام پاک کم از کم ایک پارہ مع سورۂ یسین شریف۔

مناجات مقبول حضرت حکیم الامتؒ۔ ایک منزل

شام کے معمولات

استغفار۔ ______ 100، بار

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ______ 100، بار

درود شریف۔ ______ 100، بار

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

طبقۂ ثانیہ — صبح کے معمولات

أَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِي عَنْ غَيْرِكَ وَنَوِّرْ قَلْبِي بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ ______ 3، بار

اَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ ______ 100، بار

درود شریف۔ ______ 100، بار

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ______ 100، بار

اَللّٰہُ اللہ۔ ______ 100، بار

اللہ۔ ______ 100، بار

کم از کم سورۂ یسین شریف کی تلاوت، زیادہ سے زیادہ تلاوت کی کوئی حد نہیں۔

مناجات مقبول حکیم الامتؒ ہر روز۔ ______ ایک منزل

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

شام کے معمولات

استغفار۔ ______ 100، بار

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ______ 100، بار

درود شریف۔ ______ 100، بار

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

(نوٹ)

طبقۂ اولیٰ کیلئے حسب طاقت صبح میں

سورۂ اخلاص۔ ________________ 100، بار

تیسرا کلمہ، سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر۔ ________ 100، بار

طبقۂ اخیر کیلئے صبح کے معمولات

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ ________________ 33، بار

أَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ اِلَیْہ۔ ________ 33، بار

أَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْأُمِّیِّ وَآلِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ ________ 33، بار

قرآن شریف کی تلاوت کم از کم دس آیتیں۔ زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

شام کے معمولات

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ ________________ 33، بار

استغفار۔ ________________ 33، بار

درود شریف۔ ________________ 33، بار

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

عشاء کی نماز کے بعد وتر سے قبل دو یا چار رکعت تہجد ہر طبقہ کیلئے۔



{مؤلف کا تعارف}

نام : محمد علاء الدین قاسمی ابن الحاج حافظ حبیب اللہ صاحب۔

ولادت و پیدائش : مقام و پوسٹ: جھگڑوا، تھانہ جمال پور، وایا گھنشیام پور، ضلع دربھنگہ بہار (انڈیا)

ابتدائی تعلیم : ناظرہ، وحفظ، وقرأت قرآن شریف: مدرسہ عربیہ حسینیہ چلہ امروہہ ضلع مرادآباد یوپی۔

عربی اول : جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد (یوپی)

عربی دوم، سوم : مدرسہ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ (یوپی)

اعلیٰ تعلیم : عربی چہارم تا دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند (یوپی)

فراغت : ۱۹۹۱ء

بعد فراغت مصروفیات...

درس وتدریس : درجہ سوم تا ہفتم: مدرسہ حسینیہ شریوردھن کوکن مہاراشٹر۔

حرمین شریفین کی زیارت اور عملی سرگرمیاں: فریضۂ امامت اور جدہ اردو نیوز کے لئے کالم نگاری۔

موجودہ مصروفیات : خانقاہ اشرفیہ پالی کی ذمہ داری اور تصنیف وتالیف کے مشاغل۔



مؤلف کی مشہور کتابیں

۱۔ رمضان المبارک سے محرم الحرام تک۔

۲۔ اپنے عقائد کا جائزہ لیجئے۔

۳۔ نکاح اور طلاق۔

۴۔ حج گائیڈ۔

۵۔ چالیس حدیثیں۔

٦۔ جادوٹونا، اور کہانت کا حکم۔

۷۔دس عظیم صحابہ کرامؓ کے ایمان افروز واقعات۔

۸۔ وعظ وادب کا خزانہ۔

۹۔ عظمت قرآن۔

۱۰۔ مسائل حاضرہ۔

۱۱۔ قربانی کے ضروری مسائل۔

۱۲۔ اصلاح کا تیر بہدف نسخہ ۔

۱۳۔ چراغ اصلاح۔

۱۴۔تکبر ایک وبال ہے۔

۱۵۔تنقید ایک بُری عادت ہے۔

۱٦۔جنت کے حسین محلات اور لذیذ ونفیس نعمتیں۔

۱۷۔تراویح کا پیسہ لینا جائز نہیں۔

۱۸۔رمضان المبارک کونفع بخش اور مقبول بنانے کے صحیح طریقے۔
۱۹۔قیامت کی آخری علامتیں۔
۲۰تصوف کی اہمیت وضرورت۔
۲۱۔غیبت ایک گندہ عمل ہے۔
۲۲۔اصلاح کے قیمتی موتی۔
۲۳۔اصلاح کے اہم نسخے۔
۲۴۔اخلاص اور اخلاق۔
۲۵۔اصلاحی واقعات جلد،اوّل۔
۲۶۔اصلاحی واقعات جلد دوم۔
۲۷۔اصلاحی واقعات جلد سوم۔
۲۸۔دعاء کا صحیح طریقہ۔
۲۹۔اصلاح کا مبارک سفر۔
۳۰۔قربانی کی شرعی حیثیت۔
۳۱۔پنج وقتہ نماز اور ان کے ضروری مسائل۔
۳۲۔محرم الحرام تاریخ وشریعت کے آئینے میں۔
۳۳۔عہدہ ومنصب کا حریص،رسوائی اور وبال کا طالب ہے۔
۳۴۔اتحاد واتفاق کے بغیر آپ کی جماعت کا فیل ہونا طے ہے۔
۳۵۔علماءکرام اصلاح کی روحانی چھاؤں میں۔

﴿بیعت سے آدمی پاک صاف ہوجاتا ہے﴾

حضرت خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں میرا بیعت ہونے کو بہت جی چاہتا تھا،مگر ہمت نہیں ہوتی تھی کیونکہ مجھے یہ فکر دامن گیر تھی کہ اگر بیعت ہونے کے بعد بھی گناہ ہوتے رہےتو بیعت ہونے سے کیا فائدہ؟ اس لئے پہلے حضرت میرے ناپاک ہاتھوں کواس قابل کردیں کہ حضور کے پاک ہاتھوں میں دے سکوں،احقر کی عرض مذکور پر تمثیلاً فرمایا کہ: ایک دریا تھااس کے پاس ایک ناپاک اور میلا کچیلا آدمی آیااس دریا نے کہا کہ آتو میرے پاس آجا۔اس نے کہا کہ میری بھلا کیا مجال ہے میں تیرے پاس آسکوں،تو بالکل صاف وشفاف، میں بالکل نجس، پلید، ناپاک، دریا نے جواب دیا توتواس حالت میں میرے پاس آنے نہیں پاتااور بغیر میرے پاس آئے اور میرے اندر نہائے پاک ہونہیں سکتا،تو بس ہمیشہ کیلئے دوری ہی رہی، ارے بھائی پاک ہونے کی تدبیر بھی تو یہی ہے کہ بس آنکھیں بند کرکے بلا پس وپیش میرے اندرکود پڑ بس، پھرفوراً ہی میرے اندر سے ایک ایسی موج اٹھے گی جو تیرے سر پر ہوکرگذر جائے گی اورآن کی آن میں تیری ساری نجاستوں کو دھوکر تجھے سر سے پاؤں تک بالکل صاف کردے گی۔(اشرف السوانح،ج/2،صفحہ/51)

نوٹ:

اس مضمون کوطباعت کے وقت بیک فرنٹ پرڈالیں